تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ ع لکھنؤ

ایّامِ حج کو غنیمت جانو

اس وقت عظیم و جلیل اور ایام الٰہیہ مخصوصہ کے حصوں کو غنیمت سمجھو اور تم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو، لیکن اپنی تمام قوتوں اور جذبوں سے کوشش کرو کہ تمہاری دعائیں بھی ان دعاؤں کے ساتھ شامل ہو جائیں اور تمہاری بے تابیاں اور بیقراریاں بھی ٹھیک اسی وقت خدا کے حضور رحمت طلب ہوں، کہ یہ وقت پھر میسر نہ آئے گا۔ دنیا انقلاب و تجدد کے ایک عجیب عہد سے گزر رہی ہے اور نئے موسم کی علامتوں نے ہر طرف طوفان اور بجلیوں کی ایک قیامت کبریٰ برپا کر دی ہے۔ ممکن ہے کہ روز ہجر ختم ہونے والا اور عہد وصال کی ایک نئی رات شروع ہونے والی ہو، پس ضروری ہے کہ دن بھر جن لوگوں نے غفلت کی ہے وہ اب عین شام کے وقت غفلت نہیں کریں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ شام آ گئی ہے اور چراغوں کا انتظام کرنا چاہئے۔

Rs.10/-

۱۵ دسمبر ۲۰۰۷ء

9705
14.9.09

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۴۵ شمارہ نمبر ۳

۱۰ر دسمبر ۲۰۰۷ء مطابق ۲۹ر ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام — مولانا شمس الحق ندوی

مدیر مسئول — مولانا نذر الحفیظ ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

● مولانا عبداللہ حسنی ندوی ● مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

● امین الدین شجاع الدین

سالانہ زرتعاون ۲۰۰/ ——— فی شمارہ ۱۰/

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے ۴۰/ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

P.O.Box No.93 Tagormarg, Badshah Bagh, Lucknow-7

E-mail: nadwa@sancharnet.in Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر لال لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (مینیجر تعمیر حیات)

پرنٹر وپبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات نیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

(Hashmat Ali) Tameer-e-Hayat,Lko.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس شمارے میں

چراغ راہ		
اتحاد امت کا راستہ	حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ	۲
اداریہ		
عیدالاضحیٰ کا پیغام	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
حکمت حج		
حج کا سب سے اہم مقصد	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	۵
کتاب الٰہی		
قرآن کریم کتاب الٰہی ہے	پروفیسر عطیہ خلیل عرب	۷
اعجاز قرآنی		
آیات قرآنی کے چند نمونے	دکتور عودہ ابوعودہ/محمد سمعان خلیفہ ندوی	۱۰
فقہ فتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد طارق ندوی	۱۲
عالم اسلام		
ترکی میں رجب الطیب کی حکمت عملی	ابوالمعظم ندوی	۱۳
شعروادب		
مکہ مکرمہ میں	مولانا محمد ثانی حسنیؒ	۱۶
ذبح عظیم		
ذبح عظیم کی یادگار	عبدالرحیم ندوی	۱۷
جائزہ		
امریکی معاشرہ مشاہدات کے آئینہ میں	سلمان نسیم ندوی	۲۰
رپورٹ		
روداد سفر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	محمد وثیق ندوی	۲۳
حالات حاضرہ		
نندی گرام: اشتراکی جارحیت کا نمونہ	انیس احمد ندوی	۲۷
نعمت خداوندی		
آب زمزم: فضائل واحکام	محمد جاوید اختر ندوی	۳۰

AMAN (Sanitary Wares)

Ready made R.C.C. Precast Minar for Masjid

Ahmedabad Highway Char Rasta,KANODAR-385520

Dist:B.K. Palanpur,(N.G.) INDIA

Ph.(O) 02742 241610 Fax. 02742 241124

Mo.98252 82610

Mo.94265 44110

امن

آر سی سی سمنٹ کے پریکاسٹ ریڈی میڈ تیار شدہ مسجد کے مینار۔ کم قیمت۔ کم وقت بھنگ میں۔ مضبوط اور خوشنما مینار کے لئے رابطہ قائم کریں۔

آفس - فون : ۰۲۷۴۲-۲۴۱۶۱۰

فیکس نمبر : ۰۲۷۴۲-۲۴۱۱۲۴

حافظ ظہر موبائل : ۰۹۸۲۵۲۴۲۶۱۰

حافظ الیاس موبائل : ۰۹۳۲۶۵۴۳۱۰

30 Feet 27 Feet 25 Feet 20 Feet 17 Feet 12 Feet

اتحاد امت کا راستہ

[ذیل کی تحریر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا وہ تاریخی خط ہے جو انہوں نے ایک سائل کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ سائل نے اپنے مکتوب میں اتحاد امت سے متعلق چند سوالات کی وضاحت طلب کی تھی۔]

محترم المقام، زید مجدکم

سلام مسنون۔ نیاز مقرون

گرامی نامہ باعث شرف ہوا، جذبات اتحاد ملت سے خوشی ہوئی، اشد ضرورت ہے کہ قوم میں اتحاد پیدا کیا جائے اور انہیں ایک نقطہ پر لایا جائے اور وہ مابہ الاشتراک نقطہ قرآن حکیم ہے، اسی سے یہ امت بڑھی ہے اور اس کے پروگرام پر چل کر اس نے وہ شوکت حاصل کی جو دنیا کی اقوام کو میسر نہیں ہوئی ہیں۔ شوکت وسلطنت کی راہ سے اور قومیں بھی اس دنیا میں بڑھیں چڑھیں لیکن دین اور خدا کا پیغام دے کر دین کے راستوں سے اقوام کو ایک پلیٹ فارم پر لے آنا اس امت کی خصوصیت ہے اور وہ بھی عالمگیر پیمانہ پر۔ اس مذکورہ نقطۂ اتحاد کو چھوڑ کر کوئی راستہ اتحاد ملت کا نہیں ہے، حق تعالیٰ کے دو ہی عظیم پیغام قرآن نے دیئے ہیں ایک توحید، ایک اتحاد، پہلے کے بغیر دین باقی نہیں رہتا اور دوسرے کے بغیر دنیا قائم نہیں ہوسکتی۔ آج مسلمانوں میں توحید بھی صفر کے درجہ میں آگئی ہے، شرک در شرک میں مبتلا ہیں، ان کے حق میں صرف اسباب کارفرما رہ گئے ہیں، اور اتحاد کے درجہ میں بھی صفر ہی ہیں کہ گروہ بندی وتخریب ان کا شعار ہوگیا ہے گویا دو مسلمان کے معنی ہی یہ ہوگئے ہیں کہ وہ کسی نقطہ پر جمع نہ ہوسکیں۔ اگر جناب اپنے مساعی جمیلہ سے ان میں توحید اور اتحاد کی روح پیدا کرسکیں تو یہ سعی مشکور ہوگی قرآن نے اتحاد کا راستہ ایمان اور عمل صالح بتلایا ہے افراد صحیح ہوجائیں تو قوم بھی صحیح ہوجائے گی ہم سب کا نقطۂ نظر یہی ہونا چاہئے اور ہر ایک کو اپنے دائرہ میں انتھک سعی کرنی چاہئے۔

میں بے حد عدیم الفرصت ہوں مقالہ لکھنے کی فرصت ہجوم کار نہیں دیتا اس لیے ان چند سطروں پر قناعت کر لینے پر مجبور ہوں۔ امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگی، یہ چند سطریں اگر مقالہ کی جگہ لے سکتی ہوں تو ما حضر حاضر ہے۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند

۱۳۸۹/۴/۱۵ھ

عید الاضحیٰ کا پیغام

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ہر مذہب اور قوم میں کچھ مخصوص ایام جشن اور تہوار کی حیثیت رکھتے ہیں، جو اپنے اندر اپنے ماننے والوں کے لیے خوشی اور مسرت لیے ہوتے ہیں، جنہیں انسان اپنی زندگی کے مسرت آگیں، سرور آمیز اور لذیذ ترین ایام شمار کرتا ہے، یہ ایام قومی اور ملی ایسی یادگاروں سے وابستہ ہوتے ہیں جو انسان کو جذبات خوشی ومسرت کے اظہار پر آمادہ کرتے ہیں، تہواروں کی یہ خوشی انہیں اجتماع اور عمومی طور پر منانے سے ظاہر ہوتی ہے، اسی لیے سارے لوگ ایک ساتھ مل کر ان میں حسب استطاعت ومقدرت اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں جو ان کے جذبات واحساسات سے ہم آہنگ ہوتی ہے، اسلام اور مسلمانوں کے علاوہ دیگر ادیان ومذاہب اور اقوام میں ایسے تہواروں کی تعداد بہت ہے، ان کے یہاں ہر چھوٹا بڑا واقعہ تہوار کی حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن اسلام میں عید جیسی خوشی منانے کے لیے صرف دو مواقع رکھے گئے ہیں، ان دو عیدوں کے علاوہ جو دیگر مواقع ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے کچھ تقاضوں اور خصوصیتوں سے مربوط بنایا ہے، یہ تقاضے انسانی زندگی کے نشیب وفراز کو سمجھنے اور ان سے اپنے کو ہم آہنگ بنانے سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے رمضان کا مہینہ جس میں کھانے پینے اور بہت سی ان حلال چیزوں سے رکنا پڑتا ہے جو رمضان کے علاوہ اور دنوں میں حلال ہیں، یہ پابندی دن دن بھر کے لیے ایک ماہ تک رہتی ہے، اس پابندی میں ایک نہایت نیک انسانی جذبہ کارفرما ہوتا ہے کیونکہ روزہ دار انسان اپنے کو ایک مہینہ تک روزانہ دن بھر کے لیے غذاء سے محروم انسانوں کے زمرہ میں داخل کرلیتا ہے، اور اس طرح وہ بدنصیب اور محروم انسانوں کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے خود عملی طور گزر کر واقفیت حاصل کرتا ہے، اس کی یہ واقفیت عملی اور مشاہدہ والی ہوتی ہے، سنی سنائی اور دور کی نہیں ہوتی۔

اور یہ دو عیدیں جو اللہ نے مسلمانوں کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے ایک تو عید الفطر کہلاتی ہے جو رمضان کا مہینہ پورا ہوتے ہی آتی ہے جسے روزہ دار اپنے پروردگار کی رضا جوئی کے لیے عبادت وریاضت اور مجاہدہ میں گزارتا ہے، اور کھانے پینے اور مرغوب وحلال اشیاء کے استعمال سے رک کر ایک طرح سے مشقت کے ساتھ، اور اپنے جیسے دوسرے، بہت سے بدنصیب اور انسانی سہولتوں سے محروم انسانوں کے احساسات وشعور میں شریک ہوکر گزارتا ہے، پورا ایک مہینہ ان کاموں میں گزارنے کے بعد عید کے روز روزوں کی پابندیوں سے آزاد ہوجاتا ہے اور اپنے پروردگار کی رضاء اور خوشی کے حصول کے ساتھ ساتھ ایک بڑا قلبی سکون وراحت بھی محسوس کرتا ہے۔

دوسری عید عید الاضحیٰ کہلاتی ہے، جو عید الفطر کے دو ماہ دس دن بعد آتی ہے، یہ اپنے ساتھ قربانی اور جانسپاری کی یادوں کی وہ سوغات بھی لاتی ہے جو ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور میں پیش کی تھی، اور جو قربانی اور جانثاری کی شاندار مثال تھی، انہوں نے اللہ کے لیے یہ قربانی کئی چیزوں کی دی، وطن کی محبت، بیوی کی محبت اور شیر خوار بچے کی محبت، ان سب کی قربانی دی، اولاً اپنا محبوب وطن چھوڑا، پھر اپنے دو محبوب تعلق والوں یعنی بیوی اور بیٹے کو محض اپنے رب کے حکم کی بجا آوری میں ایک دور کے بے آب وگیاہ صحراء میں لے جاکر چھوڑا، اور جب ان سے اس کی بابت پوچھا گیا تو جواب دیا کہ اللہ کا یہی حکم ہے، اور یہ اس کے حکم کی تعمیل میں ہے۔

ان کی اس عظیم قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور قیامت تک کے لیے اس کو زندہ جاوید اور یادگار بنادیا، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس قربانی کو ہمیشہ یاد رکھیں، ہر سال اس کی یاد منائیں اور اس کی قدر شناسی کے اظہار کا اہتمام کریں، اور اس سے مشابہت رکھنے والی قربانی پیش کرکے ہمہ وقت اس قربانی کو اپنے ذہن

ودماغ میں متحضر رکھیں، اور اس عظیم المرتبت انسانی شخصیت کے ساتھ اپنے تعلق وانتساب پر اللہ کا شکر ادا کریں، اس طرح یہ دن رب العالمین کے سامنے اپنی عبدیت اور بندگی کے اظہار اور اس میں اپنی کامیابی پر خوشی منانے کا دن ہے۔

عیدالاضحیٰ کے یہ چند مخصوص ایام اس بات کے بجا طور پر مستحق ہیں کہ اہل ایمان ان کی خوشی منائیں اور یہ خوشی ان کے قائد ورہبر اور امام اکبر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی اپنی عبدیت کے اظہار اور رب العالمین کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردینے کے امتحان میں کامیابی کی خوشی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان ایام کو خوشی ومسرت کے ایام قرار دیا ہے، اور اس قربانی کی یاد میں اس کے مقام مکہ مکرمہ جانے اور بعض ظاہری شکلوں میں اس عظیم واقعہ سے اپنے تعلق کے اظہار کو مشروع فرمایا ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں حج کرنا کہتے ہیں، اس فریضہ کی ادائیگی کی استطاعت رکھنے والا مومن بندہ اس عظیم تاریخی مقام کی طرف عاشقانہ اور والہانہ انداز میں جاتا ہے، اور اس کی زبان پر ملکوتی ولاہوتی نغمہ ہوتا ہے:

لبیک، اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد و النعمۃ لک، و الملک، لاشریک لک، وہ بار بار اس کی تکرار کرتا ہے، اور تین روز انہیں مقدس مقامات پر گزارتا ہے، اور عیدالاضحیٰ کے روز اور اس کے دو روز بعد تک اکل وشرب اور پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے، اس سے اسے ایک طرح کی عجیب قلبی خوشی محسوس ہوتی ہے، یہ خوشی دوہری ہوتی ہے، جس میں پروردگار کی رضا اور عید کی خوشی دونوں شامل ہوتی ہیں کہ عبادت بھی ہو رہی ہے، اور خوشی کا اظہار بھی ہو رہا ہے۔

اور پھر وہ اس بے مثال روحانیت سے جو وہ بیت اللہ شریف سے لے کر آتا ہے، اپنے قلب وروح کی غذا کا سامان تیار کرتا ہے، بیت اللہ شریف دنیا کے بے شمار بت کدوں کے درمیان سب سے پہلا خانہ خدا تھا، جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب واحد کی عبادت کے لیے تعمیر کیا، وہ لوگوں کے لیے باعث امن وسلامتی اور ان کے لیے ملجا وماویٰ بنا، وہاں جانے والا اس گھر کے جلال وجمال دونوں سے شاد کام ہوتا ہے، یہ گھر اپنا دیدار کرنے والے کے قلب کو سکون واطمینان اور سرور آمیز لذت وسرخوشی سے بھر دیتا ہے، اور جو لوگ وہاں تک جانے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں وہ اس دن کو اس کے شوق اور اس قربانی کی یاد، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہونے والی کامیابی کی خوشی میں گزارتے ہیں، اس طرح وہ قربانی کی یاد بھی مناتے ہیں، اور جو ان سے ہو سکتا ہے اس کی قربانی بھی پیش کرتے ہیں، یعنی ماکول اللحم حلال جانور کی قربانی، جس سے ضرورت مند فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اس قربانی کی یاد سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور دوگانہ شکر ادا کر کے اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، اور اپنے گھروں سے عیدگاہوں کی طرف جاتے اور واپس آتے ان کی زبانوں پر کلمات تکبیر: اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر اللہ اکبر، وللہ الحمد جاری وساری رہتے ہیں، اسی قربانی کی مناسبت سے اس عید کا نام عیدالاضحیٰ پڑا، کیونکہ اس میں مسلمان اپنے پروردگار کے شکرانہ اور اس کے حکم کی تعمیل میں قربانی پیش کرتا ہے اور بیت عتیق میں حاضری دینے کے لیے تلبیہ پڑھتا اور لبیک اللھم لبیک کہتا ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور اپنے محبوب بیٹے کے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا، اور اسی کے قریب منیٰ میں اپنے اسی جگر گوشہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی محبت وتعلق کی عظیم قربانی پیش کی تھی، اللہ نے یہ قربانی قبول فرمائی، اور تا قیامت اسے ایک یادگار بنا دیا، اور اپنے نبی کو حکم دیا کہ لوگوں کو اس گھر تک آنے اور اس میں عبادت کرنے کی دعوت دیں، ارشاد ربانی ہیں:

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ، لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ، وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ، فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ، ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ، وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ (الحج: ۲۷-۲۹)

یہ سارے کام اجتماعی خوشی ومسرت کی فضا میں انجام دیئے جاتے ہیں، اس طرح یہ بیت اللہ کا حج کرنے والے حاجی اور وطن میں مقیم بندۂ مومن دونوں کے لیے ایک بے مثال اعلیٰ قسم کی عید ہوتی ہے، حاجی بیت اللہ شریف کا طواف کرتا ہے، صفا اور مروہ کی سعی کرتا ہے، اور وطن میں رہنے والا قربانی دے کر اور دوگانہ ادا کر کے اس کی یاد مناتا ہے، مبارک ہو حاجیوں کو حج، اور مسلمانوں کو عیدالاضحیٰ۔

☆☆☆☆☆

حج کا سب سے اہم مقصد

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تجدید تعلق

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ

حج کا ایک بڑا اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملت حنفی کے امام اور مؤسس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تجدید تعلق کیا جائے، ان کی میراث کی حفاظت کی جائے، ان کی زندگی اپنے سامنے رکھ کر زندگی کا موازنہ کیا جائے، مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے اور ان کی زندگی میں جو غلطیاں، فساد اور تحریف نظر آئے اس کو دور کیا جائے اور اس کے اصل سرچشمہ کی طرف رجوع کیا جائے، اس لیے کہ حج ایک قسم کا سالانہ اجتماع ہے، جس کے ذریعہ مسلمان اپنے اعمال اور اپنی زندگی کا احتساب وتجزیہ کر سکتے ہیں اور ان قوموں اور سوسائٹیوں کے اثرات سے چھٹکارا پا سکتے ہیں جن کے بیچ میں وہ رہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

(حج کے مقاصد میں) اس میراث کی حفاظت بھی ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے ہمارے لیے چھوڑی ہے اس لیے کہ یہ دونوں ملت حنفی کے امام اور اس کے مؤسس اور بانی کہے جا سکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی اسی لیے ہوئی تھی کہ ملت حنفی آپ کے ذریعہ دنیا میں غالب آئے اور اس کا پرچم بلند ہو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ملۃ أبیکم ابراھیم" (ملت ہے تمہارے باپ ابراہیم کی) اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس ملت کے امام سے جو چیزیں ہم کو ورثہ میں ملی ہیں مثلاً خصائل فطرت اور مناسک حج اس کی ہم حفاظت کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث أبیکم، اپنے مشاعر (مقامات حج) پر ٹھہرو اس لیے کہ تم اپنے باپ کی ایک وراثت کے وارث ہو۔

حضرت ابراھیمؑ کے قصہ کی حج میں تمثیل

حج کی سب سے نمایاں اور دلکش تصویر اور روح جو اس کے تمام اعمال ومناسک میں جاری وساری نظر آتی ہے وہ عشق وشوریدگی، مر مٹنے اور قربان ہو جانے کا جذبہ ہے، اس میں جسم وعقل کی لگام دل اور جذبات کے حوالہ کر دی جاتی ہے اور عشاق ومحبین اور ان کے امام وپیشوا ابراہیم خلیل اللہ کی ہر ہر ادا کی نقل کی جاتی ہے، کبھی بیت اللہ کے طواف کا شوق ہوتا ہے، کبھی حجر اسود کا بوسہ، کبھی صفا ومروہ میں ماں کی مامتا، جوش، اضطراب کی اس طرح نقل کی جاتی ہے، جہاں وہ دوڑی تھیں، اس جگہ دوڑا جاتا ہے اور جہاں وقار ومتانت کے ساتھ چلی تھیں وہاں اسی طرح چلا جاتا ہے پھر یوم الترویہ میں منیٰ روانگی کا حکم ہے، اس کے بعد عرفات کے میدان اور پہاڑی کے دامن میں ٹھہرنا اور دل کھول کر اور رو رو کر دعا ومناجات کی ہدایت ہے، رات مزدلفہ میں گزاری جاتی ہے، اس کے بعد منیٰ واپسی ہوتی ہے اور یہ سب حضرت ابراہیمؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید وپیروی میں کیا جاتا ہے۔

لیکن اس عشق ومحبت اور تقلید ونقل کی سب سے واضح تصویر رمی جمرات ہے جو صرف ایک ایسے فعل کی تقلید ہے جو حضرت ابراہیمؑ سے صادر ہوا تھا، عشاق ومحبین کی تقلید ایک متعدی طاقت ہے اس کی نقل کرنے والے میں بھی وہی جذبات محبت منتقل ہو جاتے ہیں اور گویا بجلی کے سوئچ یا پاور ہاؤس سے اس کا تعلق ہو جاتا ہے جس سے تمام تاروں میں بجلی دوڑ جاتی ہے اور پورے شہر کو جگمگا دیتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کو متوجہ کرنے کا بہترین اور بہت موثر ذریعہ ہے جس نے اس محبت کا مزہ چکھا ہے اس کے لیے اس منظر سے زیادہ پر کیف اور دلفریب منظر کوئی نہیں ہو سکتا جب وفا شعار اور جاں نثار عشاق ومحبین اس کہانی کو دہراتے اور ان واقعات کی نقل کے لیے اس سرزمین میں جمع ہوتے ہیں، جو اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ وہی تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، وہی اسباب پیدا کرتا ہے اور وہی ان کا مالک ہے وہ جب چاہتا ہے اسباب کو مسببات سے جدا کرتا ہے اور اشیاء سے ان کے خواص کو سلب بھی کر لیتا ہے اور ان سے وہ چیزیں ظاہر کرتا ہے اور جس کام پر چاہتا ہے لگا دیتا ہے لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ کی بھٹی تیار کی اور کہا کہ:

حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ۔ انہیں تو جلا دو اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو اگر تمہیں (کچھ) کرنا ہے۔

لیکن حضرت ابراہیمؑ جانتے تھے کہ آگ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تابع ہے، جلانا اس کی مستقل بالذات صفت نہیں ہے جو کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتی، ایک اضافی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں امانت کے طور پر رکھی ہے، اس کی لگام اسی کے

ہاتھ میں ہے، جب چاہے ڈھیل دے دے جب چاہے کھینچ لے اور اسی آگ کو دیکھتے دیکھتے گلستان اور چمنستان بنادے، اس ایمان ویقین کے ساتھ وہ اس میں اطمینان کے ساتھ داخل ہوگئے اور وہی ہوا جو انہوں نے سوچا تھا۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْداً وَّسَلاماً عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ، وَأَرَادُوا بِهِ كَيْداً فَجَعَلْنَاهُمُ الْخَاسِرِينَ۔ ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں اور (لوگوں نے) ان کے ساتھ برائی کرنا چاہی تھی سو ہم نے انہیں (لوگوں) کو ناکام کردیا۔

لوگوں کا عام عقیدہ اور تجربہ یہ تھا کہ زندگی وافر پانی، زرخیز مٹی، کھیت وباغات پر قائم ہے چنانچہ وہ اپنے بتوں اور خاندانوں کے لیے ان شہروں اور ملکوں کی تلاش میں رہتے تھے جو وطن بنانے کے لائق ہوں اور وہاں کی زمین بہت زرخیز اور سرسبزی وشادابی خوب ہو، پانی وافر مقدار میں ملے، تجارت اور صنعتی کاروبار کے لیے سہولتیں حاصل ہوں، حضرت ابراہیم نے اس عقیدہ وتجربے اور دستور ورواج کے خلاف بغاوت کی اور خود عمل کر کے دکھایا، انہوں نے اپنے مختصر خاندان کے لیے جو ماں بیٹے پر مشتمل تھا ایک ایسی وادی غیر ذی زرع (بے آب وگیاہ وادی) کا انتخاب کیا جس میں نہ زراعت کی صلاحیت تھی نہ تجارت کا موقع، وہ دنیا سے منقطع تجارتی مراکز اور شاہراہوں اور دولت اور خوشحالی کے علاقوں سے بہت دور واقع تھی، یہاں پہونچ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے رزق میں کشائش پیدا فرمائے، دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اور ہر طرح کے پھل بغیر اسباب اور عام راستوں کے وہاں پہونچتے رہیں، انہوں نے یہ دعا کی۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ۔

"اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو بے زراعت میدان میں آباد کردیا ہے تیرے معظم گھر کے قریب (یہ اس لیے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں، سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں کھانے کو پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ایسی فرمائی کہ رزق اور امن دونوں چیزوں کی ضمانت کردی اور ان کے شہر کو ہر قسم کے پھلوں اور اپنی مختلف نعمتوں کا مرکز بنادیا۔

أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَماً آمِناً يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقاً مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔

کیا ہم نے ان کو امن امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے پاس سے بطور کھانے کے لیے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اتنی بات بھی نہیں جانتے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ۔ چاہئے تھا کہ اس (خانہ کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور انہیں خوف سے امن دیا۔

انہوں نے اپنے گھر والوں کو ایک ایسی زمین میں لاکر چھوڑ دیا جہاں حلق تر کرنے کے لیے پانی بھی نہ تھا لیکن ایسی ریگستانی اور پتھریلی زمین سے اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ جاری فرمایا، ریت سے پانی خود بخود ابلنے لگا اور بغیر کسی توقف کے آج تک اسی طرح جاری ہے، لوگ جی بھر کر اس کو پیتے ہیں اور بھر کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

وہ اپنے گھر والوں کو ایک ایسی ویران وغیر آباد جگہ چھوڑ دیتے ہیں جہاں آدمی کا سایہ بھی نظر نہیں آتا لیکن دیکھتے دیکھتے وہ جگہ ایسی معمور وآباد ہو جاتی ہے کہ دنیا کے ہر علاقہ کے لوگ وہاں دیکھے جاسکتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی..... ان کے عہد اور ان کے سوسائٹی کی حد سے بڑی ہوئی مادیت اور اسباب کی پرستش کے خلاف ایک چیلنج تھی۔

☆☆☆☆☆

شوگر کے مرض سے دائمی نجات کے لئے ایک مؤثر یونانی دوا

رجسٹرڈ نمبر 17476

شوگر آف

چار ماہ مسلسل استعمال سے شوگر کے مرض سے مکمل چھٹکارا۔

اسٹاکسٹ: **اودھ اسٹور**، امین آباد لکھنؤ

فون: 0522-2614054

تیار کردہ: **آرام فارمیسی، لکھنؤ**

فون: 2248567، موبائل: 9415500247

9936510837

قرآن کریم کتابِ الٰہی ہے

پروفیسر عطیہ خلیل عرب

یہ چار اناجیل جو نصاریٰ کی نظر میں معتبر ہیں، وہ بھی تاریخ مسیحی سے تین صدی قبل ظاہر کی گئی ہیں، فرانس کے فادر عبدالواحد داؤد مسیحی آشوری نے مسلمان ہونے کے فوراً بعد اپنی کتاب (انجیل وصلیب) میں اقرار کیا ہے کہ اس وقت جو اناجیل ملتی ہیں وہ قابل اعتبار نہیں، یہ ساری کہانی جو تورات وانجیل کے گرد گھومتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح ان اہل کتاب نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف، تبدیلی اور من مانی کرتے ہوئے ان کو ضائع کردیا، یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی طرح ان کتب کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کا اعلان نہیں فرمایا تھا، شاید اس لیے کہ ان کتب کی اہمیت وقتی تھی جو ایک خاص قوم وملک تک محدود رہی تھی، قرآن مجید کی طرح آخری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری امت کے لیے آخری عالمگیر ومعجزانہ کتاب نہیں تھی۔

یہاں یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے کہ سابقہ کتب کے برعکس ہماری آخری کتاب کی حفاظت کا اس قدر اہتمام اور انتظام قدرتی طور پر منجانب اللہ کیا گیا کہ کسی ہاتھ میں طاقت یا جرأت نہیں کہ اسکی طرف بڑھ سکے، قرآن کریم کے لیے اللہ رب العزت نے اپنی شانِ قدرت کا کرشمہ دکھایا اور تاکیدی انداز میں ارشاد بلکہ اعلان فرمایا: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹) ہاں ہم نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی (ہمیشہ) اس کی حفاظت کرتے رہیں گے، عربی قواعد (نحو) کے اعتبار سے یہ تاکیدی جملہ ہے، جو شدت اور کلام ربانی کی جلالت کا اظہار کرتا ہے، عربی داں جانتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے اور پھر حرف تاکید (انا) دوبار آیا، اس کے بعد لام تاکید خبر پر لایا گیا، یہ وہ دلائل ہیں جو قرآن مجید کے نازل کرنے والی عظیم ذات کی جانب اپنے کلام کی ہمیشہ کے لیے حفاظت کا یقین دلاتے ہیں، قرآن مجید کی شان وعظمت کلام الٰہی پر اکثر آیات ملتی ہیں ﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ، لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

اللہ رب العزت کی عظمت وحکمت واہتمام کے ذرائع اور وسائل پر روشنی ڈالنا ہمارے بس کی بات نہیں، البتہ ثابت شدہ حقائق جو ہماری عقل ونظر دیکھتی ہے وہ یہ ہیں کہ قرآن حکیم اپنے نزول پر چودہ سو اٹھائیس سال گزر جانے کے بعد بھی الحمد للہ ویسا ہی ہے جیسا کہ جبرئیل امین کے ذریعہ خیر البشر خاتم الانبیاء والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک پر نازل ہوا تھا، اور جیسا کہ آپ نے کفار ومشرکین مکہ اور اہل کتاب کو سنایا تھا، اور اپنے صحابۂ کرام کو سکھایا کہ پڑھیں اور یاد بھی کرلیں، بلکہ اس کلام الٰہی کی کتابت کا بھی حکم دیا تھا۔

اس عہد مبارک کے بعد سے آج تک دنیا کے کونے کونے میں نسلاً بعد نسل پڑھا پڑھایا اور سینوں میں محفوظ کیا جارہا ہے، مغرب ومشرق، شمال وجنوب میں اسی طرح جیسا کہ نازل ہوا تھا ہر مسلم گھرانے میں دینی مدارس میں، مسجدوں میں، منبروں پر اور محراب میں پڑھا سنا اور حفظ بھی کیا جارہا ہے، بچہ بچہ عربی نہیں جاننے کے باوجود اس کلام ربانی کو دل میں بسائے ہوئے ہے۔

اس حکمت الٰہی کا بندے بھلا کیوں کر احاطہ کرسکتے ہیں؟ بس اتنا جانتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ ہماری یہ دینی کتاب اعراب یعنی زیر وزبر کی بھی کسی غلطی کے بغیر اصلی حالت میں ہماری ابدی راہ نما اور پیشوا ہے، اور اس طرح رب العالمین کی جانب سے اس کی حفاظت کے لیے تاکیدی اعلان کی تکمیل ہوتی چلی جارہی ہے، فللّٰہ الحمد من قبل ومن بعد۔

خصوصیت نمبر ۳

قرآن کریم لافانی معجزہ

قرآن کریم کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ لافانی معجزہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معجزہ جاہلیت کے عربوں کے سامنے اس دور میں پیش کیا جب ان کی شاعری عروج پر تھی اور ان کو اپنی زبان کی فصاحت وبلاغت پر اس قدر ناز اور غرور تھا کہ وہ اپنے علاوہ ساری دنیا کو عجم (گونگا) بنا گئے (عرب کے معنی ہی بولنے والا ہیں)

ان سرکش اور جاہلانہ نخوت میں غرق عربوں کے حق میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کلام

الٰہی سب سے بڑا چیلنج تھا جس نے اپنی زبان پر گھمنڈ کرنے والوں کو بے بس کردیا، قرآن عظیم کو عربی میں (معجزہ خالدہ) دائمی یا لافانی معجزہ کہتے ہیں۔

اعجازی خصوصیت کی تکمیل کے لیے تین شرطیں:

اول: اس میں کھل کر چیلنج کا انداز پایا جاتا ہو، اور یہی شرط مخالف کو بے بس اور لاجواب کردے۔

دوم: مخالف گروہ سے معارضت (مقابلے) کے تقاضے پورے کرتا ہو، مثلاً مخالفین کے باپ دادا سے جو عقائد و رسم و رواج انہیں ورثے میں ملے تھے دلائل کے ساتھ ان کی تردید کرنا، یعنی عبادت میں شرکت و بت پرستی، توہمات، دیوی، دیتاؤں پر انسانی جانیں قربان کرنا یا لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کرنا یہ وہ بہیمانہ سلوک تھا جس نے انسان پر انسان کے ظلم و ستم کی انتہا کردی تھی، ان سب کو غلط اور باطل قرار دیتا ہو، اور ان کفار و مشرکین کی سرکشی اور بغاوت پر کاری ضرب لگاتا ہو، اور اسی کے ساتھ ساتھ اس میں چیلنج کرنے کے لیے دلائل بھی موجود ہوں جو مخالفین کو شکست دے کر لاجواب کرسکتے ہوں۔

سوم: اس شرط کے لیے رکاوٹ

مثلاً آسٹریلیا کا کوئی باشندہ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے اور یہ بھی کہتا ہو کہ اس پر عربی زبان میں کتاب نازل ہوئی ہے، پھر اہل زبان عربوں کو چیلنج کرے کہ تم اس جیسی کوئی کتاب لے آؤ تو یہ بعید از قیاس، بے بنیاد بلکہ لغو اور فضول، بلا دلیل دعویٰ ہوگا، پھر یہ بھی کہ اگر کوئی اس کے مقابلے پر نہ آئے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے کا یہ اعجاز ہے، جبکہ عرب اور آسٹریلیا میں مسافت یا دوری بہت زیادہ ہے اور زبان بھی مختلف ہے۔

یہ تینوں شرائط قرآن مجید میں بدرجۂ اتم موجود ہیں

قرآن مجید میں چیلنج کا انداز حکیمانہ ہے:

اول تو قرآن مجید نے (سورۂ طور:۳۴-۳۳) میں انکو چیلنج کرتے ہوئے فرماتا ہے ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ، بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ، فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖ، اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ﴾ (کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے، دراصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے، اچھا اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں (اہل زبان ہیں) تو اسی جیسی شان کا کلام بنالائیں)۔

پھر قرآن مجید نے سورۂ ہود آیت:۱۳ میں چیلنج کیا ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ، وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو: اچھا یہ بات ہے تو تم اسی جیسی صرف دس سورتیں تصنیف کرلاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے سوا تم (جو بھی تمہارے معبود ہیں) ان کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم سچے ہو (ہود:۱۳) اسی طرح رفتہ رفتہ صرف ایک سورت لانے کا مطالبہ کرتا اور چیلنج میں شدت و قوت پیدا کرتے ہوئے فرماتا ہے ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے اسے خود گڑھ لیا ہے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہو: کہ اگر تم اپنے الزام میں سچے ہو تو ایک سورت ہی (اس کی جیسی شان و عظمت والی) تصنیف کرلاؤ، ایک اللہ تعالیٰ کے سوا تم اپنی مدد کے لیے جس جس کو بلا سکتے ہو بلاؤ، (سورۂ یونس) یہ سب کچھ مکی زندگی میں ہوا، حالانکہ اس وقت بھی ان کی فصاحت و بلاغت کے ڈنکے بج رہے تھے لیکن قرآن حکیم سے معارضت یا مقابلے کی جنگ میں عاجز ہو کر گویا زبان و بیان کے شہسوار گونگے ہو گئے تھے۔

قرآن مجید کا ہر چیلنج ان کی عقل و خرد اور دلوں پر حاوی ہوتا جارہا تھا، لیکن ان کی انانیت مجروح ہو رہی تھی، حق تو یہ ہے کہ وہ حق جان کر ماننا نہیں چاہتے تھے، اور نہ ہی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی بلکہ ان کی جاہلانہ عصبیت اجازت دیتی تھی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق اور قرآن مجید کو کتاب الٰہی مان کر گھٹنے ٹیک دیں، ورنہ لغت کے اعتبار سے یہ ان کی جہالت نہیں بلکہ جیسا کہ تاریخ ادب عربی کے مؤلف ڈاکٹر عمر فروخ نے کلمۂ جاہلیت کی تعریف میں لکھا ہے کہ الجهل ضدالحلم تھا الجهل ضدالعلم نہیں، یعنی علم کے خلاف نہیں بلکہ عقل و دانش اور حق پرستی کے خلاف تھی، اسی لیے وہ قرآن کے زور دار حملوں سے گھبرا کر (آپس میں) ایک دوسرے سے کہتے ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ اس قرآن کریم کو سنو ہی نہیں بلکہ (جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سنائیں تو) ایسا شور مچاؤ کہ قرآن مجید سنائی نہ دے، شاید (اسی طرح) تم غالب آجاؤ (سورۂ فصلت:۲۶)

اس چیلنج کی تجدید مدنی دور میں ہوئی، سورۂ بقرہ میں ان کو توحید کی دعوت دی گئی، اور یہی ان کی دکھتی رگ تھی، ارشاد ہوا ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا، فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ،

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا، فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ اگر تم کو اس (قرآن) پر شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسی عظمت والی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اگر تم سچے ہو تو یہ کر کے دکھادو اور اگر تم یہ نہ کرسکے (بلکہ سچ تو یہ ہے) تم ہرگز ایسا کر ہی نہیں سکتے تو پھر اس جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے تیاری کرلو جس کا ایندھن انسان اور پتھر بنیں گے۔

یہ عام پتھر نہیں بلکہ ان کے وہ خود تراشیدہ بت ہوں گے جن کی وہ دنیا میں پوجا کرتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے، اس طرح ان کو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا (سورہ بقرہ، آیت:۲۴-۲۳) اس خوفناک انداز میں جو دھمکی دی گئی وہ محض وقتی نہیں تھی، بلکہ آئندہ بھی وہ اس چیلنج کو قبول نہیں کرسکتے تھے، اور حقیقت اب ان پر روشن ہوگئی تھی۔

دراصل ان مخالفین کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا نہ ہتھیار اور قرآن عظیم کی طرف سے مقابلے کے لیے یہ قوی ترین پہلو تھا، اپنے بلند و بانگ دعوے اور زبان دانی کے باوجود ان دشمنان دین نے جان و مال قربان کردیا، مارا بھی اور مارے بھی گئے، لیکن قرآن مجید کے اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے اس طرح ان پر حجت تمام ہوگئی اور وہ مغلوب و لاچار ہو کر شکست کھا گئے۔

پھر ان پر اعجاز قرآن کے ثبوت میں یہ قول حق بھی ثابت ہوگیا ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾ (الاسراء، آیت:۸۸) (اے نبی کریم) آپ ان سے کہدیں کہ اگر انسان اور جنات سب کے سب مل کر بھی کوشش کریں کہ اس قرآن عظیم جیسی کوئی کتاب تیار کرلیں تو وہ کبھی ایسی کتاب نہ پیش کرسکیں گے خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

اعجاز قرآن کے اسباب:

مدتوں سے ہمارے علماء اور بلاغت کے ماہرین اعجاز قرآن پر لکھ رہے ہیں، اور آج تک لکھا جارہا ہے، بلکہ باقاعدہ ریسرچ کا سلسلہ جاری ہے (ہماری زیر نگرانی کویت کے اسکالر احسان علی احسان نے (البلاغۃ القرآنیۃ واعجازھا) کے موضوع پر 2002 عیسوی میں پی ایچ ڈی کیا ہے) بے شمار کتابیں موجود ہیں، ان میں اعجاز القرآن کے اسباب و وجوہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، بعض علماء نے غیب کی خبر دینا قرآن کا اعجاز ثابت کیا ہے۔ (سورہ روم:۳۲)

بعض اہل نظر اسلوب اور بیان کو قرآن کریم کا اعجاز قرار دیا ہے سلف صالحین میں امام باقلانی، امام رازی، رمانی اور بلاغت میں خاص طور پر عبدالقاہر جرجانی جیسے ائمہ نے ہمارے لیے اس موضوع پر قیمتی علمی سرمایہ چھوڑا ہے، جب کہ ہم سے قریب تر عہد اور ہمارے دور میں سید قطب کی کتاب (التصویر الفنی فی القرآن) اور (مشاهد القیامة فی القرآن) لکھی (مصطفیٰ صادق الرافعی نے اعجاز القرآن) کے موضوع پر قلم اٹھایا، استاذ شیخ محمد عبداللہ دراز کی کتاب (النبأ العظیم) ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی کی تحقیق (الاعجاز البیانی للقرآن) بیش قیمت کتاب ہے۔

ان محققین میں علامہ رشید رضا بھی ہیں جو قرآن مجید کے تشریعی اور اصلاحی کارناموں کو اس کا اعجاز بتاتے ہیں جیسا کہ انہوں نے (الوحی المحمدی) میں ثابت کیا ہے کہ: قرآن کریم کا یہی معجزہ ہے کہ وہ عام انسانی زندگیوں پر اپنی معجزانہ شان اور اپنی کرشمہ سازی ثابت کردیتا ہے ورنہ اتنی مختصر مدت میں ایک نبی امی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اس قدر شاندار اور زبردست انقلاب اس ان پڑھ اور اجڈ قوم پر برپا کردے۔

اس طرح استاذ محمد ابوزہرہ نے قرآن مجید کے تشریعی اعجاز پر زور دیتے ہوئے اپنی کتاب (شریعۃ القرآن دلیل علی انہ من اللہ سبحانہ وتعالیٰ) میں لکھا ہے کہ قرآن کا اعجازی ثبوت اس کی لائی ہوئی شریعت ہے، قرآن حکیم کے اعجاز پر یہ کاوشیں اس درجہ اہم ہیں جو ہمارے لیے اور ہماری نئی نسل کی رہنمائی کے لیے آئندہ بھی مفید ہوں گی۔

ہمارے زمانے میں محققین کی ایک نئی قسم ظاہر ہوئی ہے جو سائنسی تحقیقات و ایجادات کو قرآنی اعجاز کے نام سے یاد کرتی ہے، ان کی مراد وہ سائنسی حقائق ہیں جن کی طرف قرآن مجید میں ارشادات اور دلائل ملتے ہیں، حالانکہ جس دور میں قرآن کریم نازل ہوا اس وقت یہ سائنسی علوم غیر معروف تھے۔

کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایک رسول امی ایک ان پڑھ قوم کو یہ بتا سکتا ہے یہ بھی قرآن کریم ہی ثابت کررہا ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں اور یہ حقیقت بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ یہ آخری کتاب ساری انسانیت کے لیے نازل کی گئی ہے جو ہر دور میں اور ہر قسم کے مسائل میں انسان کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

(جاری)

اعجاز قرآنی

آخری قسط

آیات قرآنی کے چند نمونے: ایک لغوی جائزہ

﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾

ڈاکٹر عودہ ابوعودہ

جب محبت کا لفظ بولا جاتا ہے تو بہت سے لوگوں کا ذہن ان گندے خیالات اور جسمانی تعلقات کی طرف جاتا ہے جن کا حقیقت میں محبت سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، بلکہ اگر صحیح تجزیہ کیا جائے تو اس پاکیزہ محبت کے حریم قدس میں اس کا کوئی گزر ہی نہیں، وہ پاکیزہ محبت جو نام ہے پاکیزہ زندگی کا، جسے اس آزاد اور شریف زندگی کا خلاق عالم نے عنوان بنایا ہے، وہ پاکیزہ و خوشگوار زندگی جس میں اپنی تخلیق سے مقصود بلند ترین منزلوں کو حاصل کرنے کی انسان جدوجہد کرتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد عالی ہے ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران: ۳۱) ”آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف فرمادیں گے“۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت تک پہنچنے کا راستہ نبی کی محبت ہے اور نبی کی محبت کیا ہے؟ ان کے نقش قدم پر چلنا اور ان کی سنتوں پر عمل کرنا۔

تو پھر محبت ایک پاکیزہ تخم ہے جو مناسب ماحول میں نشوونما پاتا ہے اور صالح تربیت اس کی نگہداشت کرتی ہے تب جا کر وہ منزل مقصود حاصل کرتا ہے۔

﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ (طٰہٰ: ۳۹)

”اور میں نے اپنی طرف سے تم پر محبت ڈالی“، تو حضرت موسیٰ پر یہ محبت اللہ کی طرف سے کیسے ڈالی گئی، اللہ کی یہ محبت کیا تھی؟ کیا کوئی محبت ایسی بھی ہوتی ہے جس کا فیض خدا کے یہاں سے جاری نہ ہو؟

آیت کریمہ میں ذکر ہے فرعون کے ہاں حضرت موسیٰ کی پرورش اور تربیت کا جب آپ ابھی طفل شیر خوار تھے، انہی دنوں بنی اسرائیل کے یہاں پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کرنے پر فرعون بضد تھا اس لیے کہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ انہی میں کوئی اس کے لیے خطرہ کی گھنٹی ثابت ہوگا اور اس کی بادشاہت کو صدائے رحیل دے گا اور بنی اسرائیل کو بانگ ”لاتخف“، اسی لیے اس نے فوراً ہر نومولود بچے کے قتل کے احکامات جاری کر دیئے، جب ام موسیٰ کے ہاں ولادت ہوئی تو اس کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ اسے اگر بچہ پر فرعون کے ظلم و استبداد کا خطرہ محسوس ہو تو اسے فوراً دریا میں ڈال دے۔

کلام خدا کی معجز بیانی ہی تو ہے کہ ایک ماں سے کہا جارہا ہے کہ اگر تمہیں بچے کی جان پر خطرہ محسوس ہو تو بلاخوف وخطر اسے دریا کی نذر کردو ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (القصص: ۷) ”اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ، پھر جب تجھ کو اس کی نسبت (فرعون کے مکروفریب اور ظلم) کا ڈر محسوس ہو تو (بلاخوف وخطر) اس کو دریا میں ڈال دینا اور نہ ڈرنا، نہ غم کھانا، ہم پھر اس کو تمہارے پاس ضرور پہنچانے والے ہیں اور پھر اس کو (اپنے وقت پر) پیغمبر بنانے والے ہیں“۔

کیا اب بھی کسی عقل مند انسان کو قرآن کے کلام اللہ ہونے میں شک ہے؟ قرآن کی یہ بات کوئی انسانی کلام تو ہو نہیں سکتا، کیا کوئی انسان سوچ بھی سکتا ہے کہ وہ ایک ماں سے کہے کہ اپنے بچے کو دریا کی موجوں کے حوالے کر دے پھر اس کو اطمینان دلائے اور پورا زور دے کر کہے کہ صحیح سلامت اس بچے کو دوبارہ وہ اس کے پاس لائے گا، پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس ماں کو خوش خبری بھی سنائے کہ یہ بچہ ہونے والا نبی اور رسول ہے۔

سمندر سے اس نومولود بچہ کو جب فرعون نے اٹھایا تو قریب تھا کہ اسے وہ قتل کر دے، کیوں؟ اس لیے کہ وہ اس کا بچہ نہیں تھا، پھر اس کا کیا حل ہو؟

اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ حقیقی محبت صرف ماں باپ کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، دوسرے کی اولاد سے نہیں، اور یہی کشش و جاذبیت کا انسانی نظام ہے جو انسانوں کا ایک دوسرے سے رشتہ استوار کیے ہوئے ہے، اب یہاں تو معاملہ مختلف تھا، اس لیے اللہ عزوجل نے اس موقع پر فرعون کے دل میں موسیٰ کی وہ محبت ڈال دی جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے، فرعون کی بیوی کے دل میں بھی وہ محبت ڈال دی جو ایک ماں اپنی اولاد سے کرتی

ہے، اس طرح موسیٰ ایک ایسے باپ اور ماں کی گود میں پروان چڑھے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت ڈال دی (اور اللہ ہی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے) جس کی وجہ سے دونوں نے بچہ کی اچھی سے اچھی پرورش اور تربیت کی۔

یہاں پر اللہ کی قدرت کے جلووں کا بھی نظارہ کریں کہ ”اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى“ کا گستاخانہ دعویٰ کرنے والے متکبر و ظالم و باغی فرعون کی گود میں کس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا بچہ تربیت کے لیے دیا جو مستقبل قریب میں تمام روئے زمین پر اسی (فرعون) کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت اور مبغوض ہونے والا ہے۔

اس آیت شریفہ کی تہہ میں تربیت کے جو حکیمانہ اصول پنہاں ہیں ان پر ہم غور کریں انہی اصولوں کی روشنی میں انسان اللہ تعالیٰ کے چاہے ہوئے طریقہ پر پروش پاتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کی راہوں میں ارادہ و اختیار کی آزادی کے ساتھ ان خطوط پر چلے جو اس کے رب نے اس کے سامنے رکھے ہیں، اور اس طرح وہ اپنے اس فرض منصبی کو پورا کرے جس کی خاطر اسے زندگی دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا۔

آیت کریمہ کا خاص طور پر یہ ٹکڑا ہماری توجہ کا طالب ہے ﴿ولتصنع على عيني﴾ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو بھی تیار کیا جاتا ہے اور پوری توجہ اور اہتمام کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے اور انسان پر یہ خصوصی توجہ اور اس کی اس طرح تیاری، اس کی پیدائش اور اس عالم آب وگل پر اس کی زندگی کی شروعات کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے، کوئی بھی انسان اس بات میں شک نہیں کرے گا کہ اللہ عزوجل ہی کی تنہا ذات ہے جو انسان کو وجود بخشتی ہے اور اللہ ہی کے حکم سے رحم مادر میں اسے وجود بخشا جاتا ہے، لیکن انسان کی پیدائش کے بعد بہت سے ایسے عوامل اور محرکات سامنے آتے ہیں جو اس کے رجحانات کی تشکیل میں اپنا رول ادا کرتے ہیں اور اس کی شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

گویا نومولود بچہ وہ خام میٹریل ہے جو کارخانہ میں مزدوروں کے سامنے رکھا جاتا ہے اور وہ مزدور جیسے اور جس طرح چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں، یہ بات بھی اچھی طرح ہمارے علم میں ہوگی کہ انسان کے بہت سے اوصاف اور اس کے طور طریق اور چال چلن کی بہت سی شکلیں اس کی تخلیق سے قبل ہی (یعنی رحم مادر میں جب سے وہ جنین کی شکل میں ہے اس وقت سے ہی) نومولود کی اخلاط اور اس کے مزاج میں اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ صفات اور اصولوں کے مطابق اس میں رنگ پکڑنے لگتی ہیں، یہی وہ اخلاط ہیں جن سے بعد میں اس بچے کی تشکیل ہوتی ہے اور قرآن انہی اخلاط کو امشاج سے تعبیر کرتا ہے، چناں چہ ارشاد ہے ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ (الدھر: ۲) ”اور ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لیے پیدا کیا اور سنتا، دیکھتا بنایا) اور یہ کوئی مستبعد بات بھی نہیں، نہ ہی یہ اللہ کی قدرت اور اس کی حکمت کے دائرے سے باہر ہے بلکہ اسی ذات بے ہمتا اور خلاق عالم نے اس کائنات میں جو رازہائے سربستہ رکھے ہیں انہی میں سے یہ کچھ چیزیں سائنس دانوں کی عقل وفہم کی دسترس میں بھی آگئیں۔

لیکن ان سب کے بعد بھی یہ نومولود برابر انسانی تجربات کے لیے تختۂ مشق بنا رہتا ہے جسے انسان کے تجربات جس سمت چاہتے ہیں لے جاتے ہیں اور جس سانچے میں چاہتے ہیں ڈھال دیتے ہیں، اسی وجہ سے زمانۂ قدیم ہی میں علماء نے اس راز کو پالیا اور ان پر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ فطرت اور کسب (یعنی وہ راہ جو انسان کی اپنی متعین کردہ ہوتی ہے) دونوں کے درمیان مستقل کشمکش جاری رہتی ہے، بالفاظ دیگر وہ اخلاقی حالت اور بنیادی صفات جن پر انسان پیدا ہوتا ہے اس کے درمیان اور سماج کی اس شکل کے درمیان جس کے مطابق سماج کے ان خارجی عناصر کی بدولت اس کا ذہن ودماغ ڈھلتا ہے جو اس پر اس معاشرے میں رہنے کی وجہ سے اثر انداز ہوتے ہیں، مستقل اور مسلسل کش مکش جاری رہتی ہے بلکہ انسان کے کسب (عمل) کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ کیا فطری اور وہبی طور پر اس کے لیے راہ عمل متعین کی جاتی ہے یا اسے خود اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا نقطۂ نظر طے کرے اور اپنی راہ عمل تجویز کرے، یہاں تک کہ زبان کی اصل اور اس کے ارتقائی مراحل کے درمیان بھی علماء کی آراء مختلف ہیں کہ کیا زبان کی اصل مُلہم ہوتی ہے یا انسان خود اپنی زبان کے توسط سے اس راہ کے منازل طے کرتا ہے، ان سب مسائل اور موضوعات پر علماء نفس اور زبان کے ماہرین نے خوب بحثیں کی ہیں لیکن انسان کی زندگی پر اثر انداز ہونے، اس کے رجحانات کی تشکیل کرنے، اس کے دل کی سرزمین پر اس کی صفات کا تخم بونے والے، اس کے اخلاق کا نقش بٹھانے اور اس کے خیالات ونظریات اور عقائد کو ایک سانچے میں ڈھالنے والے مختلف سماجی حالات اور معاشرہ کے

مختلف خارجی عناصر کے انسان پر اثرانداز ہونے کا کوئی بھی ذی فہم انکار نہیں کرسکتا۔

ایک ایسی بات کی تفصیل میں زیادہ جانا میں نہیں چاہوں گا جس سے سبھی واقف ہیں لیکن بہت سے لوگ اگر واقف نہیں ہیں تو اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ تربیت ہی ہے جو انسان کو تیار کرتی ہے اور اس کے ذہن وقلب کا سانچہ بناتی ہے پھر اسی کے مطابق اس کو ڈھالتی ہے، تو اس تربیت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے گرد صاف وشفاف محبت اور بھرپور شفقت کا ہالہ ہو اور وہ مستقل نگرانی کے دائرے میں ہو۔ آیت کریمہ پورے زور کے ساتھ اسی حقیقت کو بنیاد فراہم کرتی ہے، اس طرح کہ فرعون کی گود میں موسیٰ کی پرورش کے پایہ تکمیل کو پہنچنے کے لیے ضروری تھا کہ اللہ عزوجل فرعون کے دل میں موسیٰ کی وہ محبت ڈالتا جو ایک والد کو اپنے بچے سے ہوتی ہے، ورنہ پھر فرعون کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ موسیٰ کا وجود برداشت کرے اور آپ کی پرورش کرے، اور یہ بھی بالکل واضح بات ہے کہ مامتا اور شفقت کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ دنیا میں اپنے بچہ کے علاوہ کسی اور کو ایک عورت دودھ پلائے یا بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ بچہ کے لیے ماں کے علاوہ دنیا میں کوئی اور عورت ماں کی مامتا اور شفقت ومحبت نہیں پیش کرسکتی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا ہوا کہ فرعون کے گھر میں اپنے بچہ کو دودھ پلانے والی وہی بنے، اس کے لیے ام موسیٰ کو مواقع فراہم کیے جائیں اور اس کے لیے فضا سازگار کی جائے، چناں چہ ارشاد قرآنی ہے: ﴿إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ﴾ (طٰہٰ: ۴۰) ”(یہ اس وقت ہوا) جب کہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں پھر بولیں میں تمہیں ایسے کا پتہ نہ دوں جو اس کو (اچھی طرح) پالے؟ تو ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پھر پہنچا دیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں“۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد طارق ندوی

سوال: کیا قربانی کے گوشت کو قربانی کے جانور میں شریک لوگوں کے درمیان اندازے سے تقسیم کیا جاسکتا ہے؟

جواب: قربانی کے گوشت کو اندازے سے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

سوال: بعض لوگ بجائے خود ذبح کرنے کے دعاء پڑھ کر چھری پر پھونک دیتے ہیں اور قصاب ذبح کرتا ہے تو کیا پھونکنے کا یہ طریقہ درست ہے؟

جواب: اگر قصاب تسمیہ پڑھ کر ذبح کرتا ہے تو مذبوحہ حلال ہوجائے گا اور اس طرح سے پھونکنے کا عمل درست نہیں شریعت میں اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

سوال: اگر کسی کی نماز ایام تشریق میں قضاء ہوگئی تو کیا ایام تشریق گزرنے کے بعد اس کی قضاء میں تکبیر تشریق کہے گا؟

جواب: تکبیرات ایام تشریق کے ساتھ خاص ہیں ایام تشریق کے علاوہ میں تکبیرات کہنا درست نہیں ہے لہٰذا بغیر تکبیرات کے قضاء نماز کو ادا کرنا ہوگا۔

سوال: عیدالاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ عید کی نماز تک کھانے پینے سے رکا رہے یہ حکم کس کے لیے ہے جو قربانی کرنے والا ہے اس کے لیے یا سب کے لیے؟

جواب: قربانی کرنے والے ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لیے مستحب ہے کہ روزہ دار کی طرح رہیں اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد کھائیں پئیں اور اگر اپنے گھر قربانی ہے تو اپنی ہی قربانی سے کھانا چاہئے۔

سوال: عورتوں کو مثل مردوں کے عیدگاہ میں نماز کے لیے جانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اس زمانہ میں بلکہ بہت پہلے سے ہی عورتوں کا جماعت میں شریک ہونے کے لیے مسجد وعیدگاہ جانا ممنوع ومکروہ ہے یہ ممانعت صحابہ کرامؓ کے زمانہ ہی سے ہے۔

سوال: اونٹ وغیرہ بڑے جانور میں سات شریکوں کے بجائے صرف دو ہی آدمی مل کر قربانی کریں اور ہر ایک کے حصہ میں ساڑھے تین حصہ آئیں تو کیا قربانی صحیح ہوگی؟

جواب: صورت مذکورہ میں قربانی جائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں ہے۔

سوال: کیا قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے؟

جواب: دیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

عالم اسلام

ترکی میں رجب الطیب اردوغان کی حکمت عملی

مسلم تنظیموں کے لیے نمونہ

ابوالمعظم ندوی

ترکی جہاں خلافت کے خاتمہ کے بعد اسلام کو شجر ممنوعہ قرار دیدیا گیا تھا اور حکومت کے دروبست پر اسلام دشمن عناصر حاوی ہوگئے تھے، وہاں جسٹس پارٹی کی حکومت کا قیام یقیناً ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے، اس تبدیلی میں عالم اسلام کی دیگر رفاہی تنظیموں کے لیے پیغام ہے کہ ہدف تک پہنچنے کے لیے حکمتِ عملی اور زمینی طریقہ کار ہی مفید اور کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔

ترکی میں رجب الطیب اردوغان کی پارٹی کو عام انتخابات میں مطلق اکثریت حاصل ہونے سے اسلامی دنیا میں نیز مغربی ملکوں میں بھی ہلچل پیدا ہوگئی، مصر میں خاص طور سے اخوان کے حلقوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ ہم اخوانی جسٹس پارٹی کی طرح کیوں کامیابی حاصل نہیں کرسکتے، جسٹس پارٹی نے کٹر اسلام دشمنوں کے ساتھ جو حکمت عملی اختیار کی تھی کیا ہم وہی طریقۂ کار اختیار نہیں کرسکتے، جب اردغان اکثریت حاصل کرنے کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ ہم ترکی کے سیکولر کردار کا احترام کریں گے، حالانکہ ان سے تو یہ توقع کی جارہی تھی کہ وہ کھل کر سیکولر عناصر کے خلاف اعلان جنگ اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا ارادہ ظاہر کردیں گے، پھر کیا ان کے عزائم اور نیتوں میں تبدیلی آگئی؟ کیا وہ سابقہ اعلانات سے روگردانی کررہے ہیں؟ انہوں نے کامیابی حاصل کرتے ہی کیوں اعلان نہیں کردیا کہ وہ ترکی کو اسلامی جمہوریہ بنانا چاہتے ہیں؟ اس طرح کے سوالات جذباتی حد تک تو صحیح ہوسکتے ہیں لیکن اگر ترکی کی سوسالہ تاریخ پر نظر کریں اور حکومت کے دروبست پر حاوی عناصر کو دیکھیں اور حقائق کا ٹھنڈے دل سے تجزیہ کریں، اسی کیساتھ بیرونی طاقتوں (امریکی ومغربی) کو نظر انداز بھی کردیں جب بھی ترکی کے کسی سیاستداں کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ بیس پچیس سال سے پہلے اس طرح کا اعلان کرے، جن حالات میں ترکی سے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا اور جن عناصر نے پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکی پر قبضہ کیا وہ کبھی بھی ایسے اعلانات نہیں کرسکتے، پروفیسر نجم الدین اربکان نے ترکی کے دروبست پر حاوی اسلام دشمن عناصر کو جب نظر انداز کردیا تو عدالت عالیہ نے ان کی پارٹی اور حکومت دونوں کا خاتمہ کردیا، اس سے پہلے تو عندنان مندریس کو پھانسی دیدی گئی تھی، اربکان کے ساتھ عدالت اور فوج دونوں کا رویہ معاندانہ تھا، اس لیے انہیں تین بار مسلسل ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا، اپنے استاذ ومربی اربکان سے ان کے شاگرد اردغان نے یہی سبق لیا کہ اگر وہ اس طرح سمندر میں ہل چلاتے رہے تو ان کی ساری توانائی ضائع ہوجائے گی، چنانچہ اردغان نے اپنے مرشد سے معافی طلب کی اور جسٹس پارٹی کی بنیاد رکھدی جس کو عوام نے ۲۰۰۲ء میں بڑے پیمانے پر ووٹ دیئے، اعداد وشمار کے مطابق ایک کروڑ سے زائد ترکوں نے ووٹ دیا، اس طرح جسٹس پارٹی نے مجموعی طور پر ۳۵ فیصد ووٹ حاصل کئے، جب کہ اربکان کی پارٹی کو صرف پونے دو فیصدی ووٹ ملے، آخری انتخابات میں ۴۷ فیصدی ووٹوں کا تناسب رہا، مجموعی طور پر سولہ ملین ترکوں نے ووٹ دیئے جبکہ کل ووٹروں کی تعداد بیالیس ملین ہے۔

اس وقت ترکی کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے خاتمے کے بعد ترکی پر بہت سی طاقتوں نے اپنے پنجے گاڑنے کی کوشش کی، ان میں فوج کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا تھا، اسی کے ساتھ ترکی پر یہودی میڈیا نے اپنا قبضہ جمالیا، بڑے بڑے اخبارات ورسالے، اور ٹی وی کے کئی چینل کے ساتھ ریڈیو بھی ان کے قبضے میں تھے، تیسری طرف عدالتوں اور دانشگاہوں کے کلیدی عہدوں پر فائز سربراہ بھی ترکی پر حکمرانی میں بنیادی کردار ادا کرتے تھے، ترک فوج نے صدر اور عدالت کے باہمی تعاون سے شہری حکومتوں کا کئی بار خاتمہ کیا، اس مثلث کو توڑنے کے لیے اردغان نے غیر معمولی حکومت عملی اور انتہائی خاموشی سے کام لیا، مرکزی وزارت تعلیم کے عہدوں پر جو عناصر براجمان تھے وہ تقریباً ترکی کی ایک سو سے زائد دانشگاہوں کی نگرانی کرتے تھے، یہ سب اپنے اداروں سے اسلام پسند اساتذہ کو فوراً سیکولر دشمنی کے الزام میں نکال باہر کرتے تھے، اردغان نے نہ صرف ایسے

پرنسپلوں، وائس چانسلروں کو چلتا کیا بلکہ انتالیس مزید یونیورسٹیاں قائم کیں، اور اسلام پسند عناصر کو تعلیمی اداروں کی قیادت سپرد کی، اسی طرح وزارت اطلاعات سے ملحد اور بے دین عناصر کو ہٹا کر ان نوجوانوں کو ان کی جگہ رکھا جن کو شروع ہی سے دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا گیا تھا، سعید النورسی کی جماعت نے تجارتی طور پر دو ٹی وی چینل قائم کئے تھے جو آٹھ ملین ڈالر کے خسارے کے بعد نفع دینے لگے تھے، حکومت نے انکی سرپرستی کی، اس کے ساتھ نئے اسلامی چینلز قائم کئے گئے، جو لوگ یہودی میڈیا کی سرپرستی کررہے تھے اور حکومت سے کروڑوں ڈالر سالانہ امداد لیتے تھے ان سب کا محاسبہ ہوا تو وہ جیلوں میں نظر آئے، اس طرح مغربی میڈیا کی شہنشاہی کی طاقت توڑ دی گئی، اردغان کی حکومت کو سب سے بڑا خطرہ فوج، صدر اور عدالت سے تھا، ان کے علاوہ اس خفیہ تنظیم سے بھی سب سے زیادہ خطرہ تھا جو Gladyo کے نام سے ناٹو میں شامل ممالک میں قائم کی گئی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر ترکی، عراق، ایران، پاکستان (ناٹو کے رکن) میں سے کسی ملک پر اس کا قبضہ ہوجائے تو مسلح جدوجہد کرکے ان لوگوں کو راستے سے ہٹادے، اگرچہ اس کے خاتمہ کے بعد ناٹو کی اس تنظیم کا خاتمہ ہوگیا، لیکن ترکی میں اب بھی یہ سرگرم عمل ہے، اس کا کام دھما کہ کرکے الزام اسلام پسندوں پر لگانا ہے، ایسا بھی ہورہا ہے کہ ملحد وبے دین صحافیوں اور سیاستدانوں کو قتل کرکے اسلام پسندوں کو بدنام کیا جارہا ہے، ان حالات میں اردغان کا راستہ کانٹوں سے بھرا ہوا تھا، جیسا کہ ہمارے پڑوس میں ہوا اور دیگر کئی ملکوں میں مسلمانوں کے خلاف کیا جارہا ہے، اردغان نے حکومت میں رہتے ہوئے بھی مندرجہ بالا عناصر سے نمٹنے کے بجائے تعمیری جدوجہد کا راستہ اختیار کیا جس کا میدان بہت وسیع تھا اور سیکولر پارٹیاں عمل کے لحاظ سے صفر تھیں، اردغان نے اپنے رفقاء کے تعاون سے مندرجہ ذیل میدان عمل کا انتخاب کیا، جس میں انہیں غیر معمولی کامیابی ہوئی اور اس کے فوری نتائج برآمد ہوئے اور آئندہ طویل عرصہ تک اس کے اثرات ظاہر ہوتے رہیں گے۔

اردغان نے ترکی کو سیاسی، اقتصادی، سائنسی، صنعتی اور فوجی میدان میں آگے بڑھانے اور دینی تعلیم کے میدان میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے اور شخصی آزادی کے لیے ماحول سازگار بنانے کی جدوجہد کو اولین اہمیت دی، انہوں نے ترکی کی اقتصادیات پر قابض سیکولر عناصر کو بے دخل کیا اور فوج کی حکمرانی کو قانون کے ذریعہ ختم کردیا۔

اردوغان کو جو کامیابی ملی اس کا تذکرہ انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد ماہرین نے اپنے تجزیاتی مضامین میں کیا ہے، انہوں نے اردوغان کی کامیابی کے پس پردہ اسباب ومحرکات کا تجزیہ کرتے ہوئے اعداد وشمار کی زبان میں بتایا ہے کہ اردوغان کی حکومت نے افراط زر پر قابو پاتے ہوئے اس کو ۳۷ فیصدی سے نو فیصدی تک نیچے لے آئے گذشتہ حکومتوں نے بینکوں سے جو قرض لئے تھے ان پر حکومت کو ۶۵ فیصدی سود دینا پڑتا تھا اس طرح یہودی ساہوکاروں کی جیب میں ترکی کی قومی آمدنی کا بڑا حصہ چلا جاتا تھا، اردوغان نے یہ فائدہ کم کرکے ۱۵ فیصدی کردیا، نئے انتخابات کے بعد اس میں مزید دس فیصدی کمی ہوگئی، پہلے ترکی لیرہ ایک لاکھ دیکر ایک سو ڈالر ملتا تھا، اب ایک امریکی ڈالر کی قیمت ڈیڑھ لیرہ رہ گئی ہے، یہ جسٹس پارٹی کا وہ کارنامہ ہے جس کا دعویٰ تو تمام پارٹیوں نے کیا مگر اصل کامیابی جسٹس پارٹی ہی کو ملی۔

اردوغان کی حکومت نے ایک بڑا بنیادی کارنامہ یہ انجام دیا کہ ابتدا سے لے کر سیکنڈری تک کے طلبہ کو کتابیں اور کاپیاں مفت تقسیم کیں، غریب طلبہ کو تعلیمی وظائف اور رہائش کی سہولتیں بھی مہیا کیں، اعداد وشمار کے مطابق ایک کروڑ طلبہ کو فائدہ ہوا۔

اردوغان کی حکومت سے پہلے ترک سیاستدانوں اور تاجروں نے بینکوں سے خوب قرض لئے اور غیر قانونی طور پر چھیالیس ارب ڈالر بیرونی بینکوں میں منتقل کردیا، اردوغان نے ایسے تمام لوگوں کی جائداد، بحری جہازوں، محلات اور مرسڈیز کاروں پر قبضہ کرکے ان لوگوں پر مقدمہ قائم کرایا، تطہیر کا یہ کام برابر جاری ہے۔

اردغان کی حکومت نے دور دراز پہاڑی علاقوں میں رہنے والے غرباء ومساکین کو سردی سے بچنے کے لیے پندرہ لاکھ ٹن سالانہ کوئلہ مفت تقسیم کیا، اس پروگرام سے سالانہ چالیس لاکھ انسان فائدہ اٹھا رہے ہیں، اس پروگرام پر اب بھی عمل ہورہا ہے۔

اردوغان کی حکومت نے غریب اور متوسط طبقے کے لیے دو لاکھ دس ہزار مکانات تعمیر کرائے، ان خاندانوں کو یہ سہولت بھی دی کہ پندرہ سے بیس سال کے اندر رقم ادا کرسکتے ہیں جس دن سے یہ خاندان ان مکانات میں منتقل ہوں گے اس کے ایک سال بعد سے ماہانہ آسان قسطیں وہ ادا کریں گے، اب تک ایک لاکھ چالیس ہزار فلیٹ بن کر تقسیم ہوچکے تھے حکومت کا یہ پروگرام پانچ لاکھ فلیٹ کی تعمیر کا ہے۔

اردوغان کی حکومت نے پانچ سال کے اندر ساڑھے چھے ہزار کیلومیٹر سڑکیں تعمیر کرائی ہیں جبکہ

پچاس سال کے اندر ساڑھے چار ہزار کیلومیٹر سڑکیں بنائی گئی تھیں، ان شاہراہوں میں اردوغان کی حکومت نے ان راستوں کو ترجیح دی ہے جو فوجی اہمیت کی حامل ہیں۔

اردوغان کی حکومت سے پہلے فی کس آمدنی کا تناسب دو ہزار پانچسو ڈالر تھا جسٹس پارٹی کے دور میں اقتصادی اصلاحات کے نتیجہ میں یہ تناسب ساڑھے پانچ ہزار ڈالر سالانہ ہوگیا، اسی طرح بیرونی ملکوں کو سالانہ ۳۶ ارب ڈالر کی مصنوعات بھیجی جاتی تھیں، اب یہ ۹۵ ارب ڈالر تک پہنچ گئی ہے، اسی طرح اردوغان نے جب حکومت کی باگ ڈور سنبھالی ہے ترکی پر بیرونی قرضہ ۲۳ ارب ڈالر تھا جو گھٹ کر صرف نو ارب ڈالر رہ گیا ہے، ترکی کے وزیر اقتصادیات نے اعلان کیا ہے کہ ہم چھ ماہ کے اندر بیرونی قرضوں سے نجات پالیں گے۔

اردوغان کی حکومت نے تعلیم اور صحت کے میدان میں بھی بڑے قدم اٹھائے، حکومت نے تمام سرکاری ہسپتالوں کو عوام کے لیے مفت کھول دیا تھا، اب پرائیویٹ شفاخانوں کو بھی عوام کے لیے حکومت نے کھول دیا ہے، اس طرح کہ معمولی فیس دے کر علاج کی سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں باقی اخراجات حکومت ادا کرے گی۔

حکومت نے انتالیس نئی یونیورسٹیاں قائم کی ہیں جن کی وجہ سے تعلیم کو عام کرنے میں مدد ملی ہے۔

اردوغان کی حکومت نے جیل خانوں اور پولیس کے تھانوں میں ٹارچر کو غیر قانونی قرار دیا ہے، جن تھانوں میں ان پر عمل نہیں کیا گیا ان کے ذمہ داروں کو حکومت نے معطل کردیا، حکومت نے شخصی آزادی اور قانونی حدود میں احتجاج اور ریلی کی بھی اجازت دیدی ہے، اس طرح کردوں کو اجازت ہے کہ وہ کردزبان میں اخبارات نکالیں، ریڈیو کو بھی حدود کے اندر آزادی دی گئی ہے، نئی کابینہ کی تشکیل کے بعد ترکی کے دستور میں حجاب اور دینی تعلیم سے متعلق جو مسودہ تیار کیا گیا ہے اس میں حجاب کی اجازت دی گئی ہے، ترمیم شدہ مسودہ کے بارے میں ترکی دستور میں جو عبارت درج کی جائے گی اس میں کہا گیا ہے کہ ہر شہری کو یہ آزادی حاصل ہوگی کہ وہ شہری زندگی کے لیے جو لباس چاہے اختیار کرے، کسی شخص کو کسی مخصوص لباس کی بنا پر تعلیمی اداروں میں داخلہ اور تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا، اس طرح ہر ترک شہری کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ جو زبان چاہے سیکھے، واضح ہو کہ موجودہ دستور میں کردزبان کے سیکھنے پر قانونی پابندی ہے، وزیر اعظم اردوغان نے اپنی بڑی بیٹی کو حجاب ہی کی بنا پر امریکہ تعلیم کے لیے بھیجا تھا، مستقبل میں مزید جو اقدامات کئے جائیں گے ان میں ترکوں کی فی کس سالانہ آمدنی ساڑھے پانچ ہزار ڈالر سے بڑھا کر دس ہزار ڈالر کرنے، اکسپورٹ کو بڑھانے اور بیکاری کو ختم کرنے کے منصوبے ہیں اسی کے ساتھ شام، ایران، اور عراق کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کا پروگرام ہے۔

ترکی کی قیادت کے سامنے سب سے نازک مسئلہ ان باغی کردوں کا ہے جو شمالی عراق میں رہتے ہیں امریکہ ان کی سرپرستی کرتا ہے اور وہ امریکی اسلحہ کے بل پر ترکی کے حدود میں داخل ہوتے اور وہاں دھماکے کرتے ہیں، اور واپس شمالی عراق آجاتے ہیں، رجب الطیب نے ترک پارلیمنٹ سے کرد باغیوں کے خلاف فوجی حملے کی اجازت لی، اس کے بعد امریکہ سے اس موضوع پر بڑی صفائی سے گفتگو کی اور کہا کہ اگر امریکہ چاہے تو ان کرد باغیوں پر کنٹرول کرسکتا ہے، چنانچہ اردوغان کا یہ دورہ کامیاب رہا، ترکی نے ہوائی حملہ روک دیا ہے اور باغیوں کو گفتگو کی دعوت دی ہے، کردوں کے علاوہ قبرص اور عراق وایران کے بارے میں بھی ترکی کے اختلافات ہیں جو گفتگو سے حل کئے جارہے ہیں، ایران سے پائپ لائن کے ذریعہ گیس ترکی تک لانے کے بارے میں امریکہ نے تنقید کی تھی لیکن ترکی نے امریکہ کی تنقید نظر انداز کردی اور یہ کہا کہ یہ ہمارا داخلی مسئلہ ہے، اور ہماری قومی مفاد اس سے وابستہ ہے، اسی طرح فلسطین کے مسئلہ پر بھی اسرائیل سے بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں، ابھی حال ہی میں اسرائیلی احتجاج کو نظر انداز کرکے ترکی میں القدس کانفرنس منعقد کی گئی جس میں دو ہزار علماء نے شرکت کی، علامہ یوسف القرضاوی نے اس کانفرنس کی صدارت کی۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

آزاد پرنٹنگ پریس (محبوب بلڈنگ نظیر آباد لکھنؤ) کے مالک جناب عبدالحلیم صاحب کا ۷۰ سال کی عمر میں مورخہ ۳۰ر نومبر ۲۰۰۷ء بروز جمعہ کو انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

برسوں سے تعمیر حیات کی طباعت اسی پریس میں ہورہی ہے، مرحوم اس کی طباعت میں خاصی دلچسپی لیتے تھے، سوال وجواب اور دیگر دینی مضامین کو خاص طور سے پڑھتے تھے، لوگوں کو خریدار بننے پر بھی آمادہ کرتے تھے، پسماندگان میں تین لڑکیاں تین لڑکے (عبدالحمید خاں، محمد سلیم خاں، محمد فہیم خاں) جو اپنے والد ہی کی طرح دینی اور رفاہی کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مکہ مکرمہ میر

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

مجھ پرخدا کا بیشمار فضل وکرم ہے آج کل
لیل ونہار بار بار طوف حرم ہے آج کل

زمزم کا جام ہاتھ میں، ذکر خدا ہے ساتھ میں
میری نظر کے سامنے بابِ حرم ہے آج کل

تھامے ہوئے غلاف کو بہر دعا حطیم میں
ناچیز بندہ یہ ترا طالبِ کرم ہے آج کل

ذکرِ خدا زبان پر گرم طواف روز وشب
رو کر چمٹنا بار بار بہر ملتزم ہے آج کل

اَسود حجر کا چومنا ہے شغل میرا روز وشب
اور ہاتھ میرے ہیں بلند اور چشم نم ہے آج کل

شکر خدا ادا کرے مجھ سا نحیف وناتواں
مجھ پر تو فضل ایزدی بے کیف وکم ہے آج کل

رب العلا کے سامنے شام وسحر جبیں نیاز
بندہ ترا درِ حضور تسلیمِ خم ہے آج کل

تیرا کرم میں گن سکوں میرے لیے محال ہے
میرے خیال سے بلند ترا کرم ہے آج کل

میری دعا تو کر قبول آنا مرا نہ ہوفضول
لب پر دعا ہے تیز تر اوردم بدم ہے آج کل

ہاتف نے دی صدا مجھے کچھ غم نہ کر دل حزیں
تیرا مقام تو بلند بیت السلم ہے آج کل

☆☆☆☆☆

ذبح عظیم کی یادگار

عبدالرحیم ندوی

ملت حنفی کے امام کی امامت وپیشوائی دنیا کے دوتہائی آبادی کے یہاں مسلم ہے، عیسائی ہوں یا یہودی یا مسلمان سبھی کو آپ سے عقیدت ہے کیونکہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تینوں آپؑ ہی کی اولاد میں ہیں۔

توحید کے اس علمبردار کی اول تا آخر پوری زندگی قربانیوں سے پُر اور آزمائشوں سے لبریز نظر آتی ہے، چار ہزار سال سے زیادہ مدت گزری جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کلدانیہ کے ملک جو دنیا کے نئے نقشہ میں عراق کہلاتا ہے پیدا ہوئے۔

ساری دنیا اپنے خالق کو بھولی ہوئی تھی، شمس وقمر، شجر وحجر کی عبادت کی جارہی تھی دیوی دیوتاؤں کی پرستش زور شور سے ہورہی تھی، نجوم، فال گیری، غیب گوئی کا بازار گرم تھا، بے جان بتوں سے مرادیں مانگنا، چڑھاوے چڑھانا اور نذرونیاز کا چلن عام تھا، خود ابراہیم علیہ السلام کا خاندان نہ صرف بت پرست بلکہ بت گر اور صنم فروش تھا، باپ دادا مندر کے پنڈت ہوتے چلے آرہے تھے، آزر شہر کے بڑے معبد کے پروہت تھے، ابراہیمؑ کی ولادت سے یقیناً شہر میں خوشیاں منائی گئی ہوں گی، بڑے مجاور کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے آگے چل کر اس گدی کا جانشین اور مندر کا پجاری بنے گا اور نہ جانے ابراہیمؑ کے خاندان اور دوسرے لوگوں نے کیا کیا تمنائیں اور آرزوئیں اس بچے سے باندھی ہوں گی؟ لیکن ابراہیمؑ کو قلب سلیم عطا کیا گیا تھا وہ جوں جوں بڑھ رہے تھے اور شعور کی آنکھیں کھول رہے تھے ان کو اپنی قوم اور گھر والوں کی عادات وعقائد سے وحشت بڑھ رہی تھی وہ دیکھتے تھے کہ قوم تہذیب وتمدن میں ترقی اور شہر کی پیشوائی کے باوجود اتنی موٹی سی بات نہیں سمجھ پارہی ہے کہ مخلوق جو اپنی حرکات وسکنات میں پابند سلاسل نظر آرہی ہے، یہ کنکر، پتھر کے بت جسے خود ان کے ہاتھ تراشتے ہیں کیسے عبادت کے لائق اور سجدے کے مستحق ہوسکتے ہیں، آخر ابراہیمؑ نے اپنے دل میں ٹھان لیا کہ وہ ان بتوں کی پوجا ہرگز نہیں کریں گے اور اپنی قوم کو بھی سیدھی راہ دکھائیں گے چنانچہ وہ بطور تمثیل ایک اچھوتے انداز میں چاند، سورج اور ستاروں کو پہلے رب کہہ کر پکارتے ہیں پھر ان کی بے بسی اور لاچاری کو بیان کرتے ہیں اور غروب ہوتے دیکھ کر کہتے ہیں "لئن لم یھدنی ربی لأکونن من القوم الضالین" اس طرح وہ قوم کی عقل پر پڑے ہوئے دبیز پردہ کو اٹھانا چاہتے تھے کہ وہ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوجائے کہ بھلا یہ چاند جو طلوع ہوکر غروب ہوجاتا ہے یہ سورج جس کی روشنی ایک خاص وقت تک نظر آتی ہے پھر چھپ جاتی ہے رب کیسے ہوسکتے ہیں؟ لیکن ان کی عقل پر اتنا دبیز پردہ تھا کہ وہ اس کو سمجھنے سے قاصر تھے چنانچہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "انی بری مما تشرکون" اور "انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین" کا اعلان کردیا۔

لیکن یہ اعلان معمولی نہ تھا خاندان، معاشرہ، ملک بلکہ پوری دنیا میں جو چیز نہ صرف جاری وساری ہو بلکہ اس میں عقیدت بھی شامل ہو تو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا گویا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا تھا، اس لیے کہ آدمی کو اپنا عقیدہ عزیز ہوتا ہے اگر اس پر آنچ آتی ہے تو تن من دھن کی بازی لگادینے کو تیار ہوجاتا ہے یہاں ابراہیمؑ نہ صرف اپنی برأت کا اظہار کررہے تھے بلکہ قوم کے سامنے ان کے بزرگوں کو ضلالت وگمراہی کا شکار بتارہے تھے "لقد کنتم انتم وآباؤکم فی ضلال مبین" یہ بغاوت آسان کام نہ تھی اس کے لیے ان کو بڑی قربانی دینی پڑی، اس اعلان کو سن کر باپ نے کہا کہ اگر تم اس حرکت سے باز نہیں آئے تو میں تمہیں عاق کردوں گا، قوم بھی جانی دشمن بن گئی، حکومت بھی آپ کے پیچھے پڑگئی، لیکن وہ ان کی دھمکیوں سے ڈرتے کیا، انہوں نے تو ایک موقعہ پر مندر کے سارے بت توڑ ڈالے اور دکھادیا کہ یہ بیچارے تو اپنی حفاظت بھی نہیں کرسکتے تمہارے کیا کام آئیں گے؟

یہ منظر دیکھ کر مندر کے پروہت، بتوں کے پجاری بوکھلا اٹھے اور اب ابراہیمؑ کو دربار شاہی میں بطور مجرم پیش کیا جارہا ہے، ابراہیمؑ تن تنہا پوری قوم کے خلاف پہاڑ کی طرح ڈٹے ہیں، اور ایسا منھ توڑ جواب دے رہے ہیں اور اپنے دعوے کے ثبوت میں ایسا منطقی استدلال کررہے ہیں کہ فبھت الذین کفروا" کا سماں سامنے آجاتا ہے "ثم نکسوا علی رؤسھم" کا منظر ان کی تکذیب اور

ابراہیمؑ کی صداقت کی گواہی دے رہا ہے، "لقد علمت ماھولاء ینطقون" کا اقرار ان کی ہزیمت اور ابراہیمؑ کی فتح کا اعلان کر رہا ہے لیکن ہمیشہ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب طاقتور دلائل و براہین کے میدان میں شکست کھا جاتا ہے اور اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا ہے تو پھر زور بازو سے اپنی بات کو منوانا چاہتا ہے چنانچہ اس جنگلے کے باغی کو آتش کدے میں جھونکا جا رہا ہے، نار نمرود ایسی روشن کی گئی ہے کہ اس کے قریب پھٹکنا بھی دشوار ہے لیکن ابراہیمؑ اس ذات پر ایمان رکھتے ہیں جو اس آگ کی بھی خالق و مالک ہے، اس لیے دل میں گھبراہٹ، نہ پائے ثبات میں ڈگمگاہٹ، باطل خوش ہو رہا ہے کہ ابھی چشم زدن میں ابراہیم جل بھن کر راکھ ہوئے جاتے ہیں اور نور خدا کفر کی اس حرکت پہ خندہ زن، ابراہیم بھی زیر لب مسکراہٹ میں مگن، یہ تو حیرت کی انتہا ہوگئی، ابراہیم تو آگ میں ایسے بیٹھے ہیں جیسے کوئی گل گلزار میں مست خرام ہواؤں کے جھونکوں سے مشام جاں کو معطر کر رہا ہو، قوم ورطۂ حیرت میں غوطہ زن ہے کہ ابراہیم کے ساتھ کرے تو کیا کرے؟ اب توحید کے متوالے کو جلاوطن ہونا پڑ رہا ہے، اپنی بیوی کو ساتھ لیکر شہر شہر، ملک ملک پھرتے ہیں، خدا ہی جانتا ہے اس غریب الدیار مسافر پر اس صحراء پیمائی میں کیا گزری کن دشوار گزار گھاٹیوں سے اسے گزرنا پڑا لیکن جس نے صدق دل سے "اسلمت لرب العلمین" کا عہد و پیمان کیا تھا جس نے ایک رب کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور رسم و رواج کو چھوڑا تھا، جس نے دنیاوی فائدوں اور عہدہ و منصب کو تاراج، جس نے عزت اور آؤ بھگت کے مواقع کو خیر آباد کہا تھا اس کے سامنے تو صرف ایک ہی دُھن تھی، اللہ کے دین کی تبلیغ اور توحید خالص کا پرچار، یہی اس کا مشن، یہی اس کی آرزوؤں کا نشیمن، اسی کے لیے جینا، اسی کے لیے مرنا، اس کے لیے ہر امتحان دینے کو تیار اور ہر آزمائش میں کود پڑنے کے لیے آمادہ، بہر حال وقت گزرتا گیا ابراہیمؑ آزمائش کی بھٹی میں جلتے رہے، نکھرتے رہے، ہر امتحان میں کامیاب ہوتے رہے، ہر آزمائش میں پورے اترتے رہے لیکن ابھی ایک آزمائش باقی تھی اور سب سے کڑی آزمائش، ایک امتحان باقی تھا اور سب سے سخت امتحان، وہ امتحان یہ تھا کہ چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں جب اولاد سے مایوس ہو چکتے ہیں، بیوی ہاجرہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے کچھ روز بعد ہجرت کا حکم ملتا ہے سرزمین شام سے مصر ہوتے ہوئے حجاز کی خشک اور پتھریلی وادی میں پہونچتے ہیں علاقہ ویران، پانی کا نام نہ نشان، سبزہ کی جگہ ہر طرف ریگستان، نیچے تپتی ہوئی زمین، اوپر دہکتا ہوا آسمان، حکم ہوا اسی بے آب و گیاہ وادی میں اپنی کمزور و ناتواں بیوی اور طفل شیر خوار کو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں، اور اس طرح کہ راضی بہ رضا ہوں، نہ جزع ہو نہ فزع، نہ ڈر اور گھبراہٹ، نہ بے دلی و اکتاہٹ، نہ عزیمت میں کمزوری نہ وعدہ الٰہی میں شک، بلکہ طبعی اسباب کے خلاف بغاوت، حکم کا بندہ، جنبش آبرو کا غلام حکم کی تعمیل کرتا ہے، جانے کے بعد وہ سب کچھ پیش آتا ہے جن کا اندیشہ تھا، بچہ پیاس سے بیتاب، ماں کی مامتا کا جوش لاجواب، خطرات کا احساس، پانی کی تلاش، لیکن پانی نایاب، اور دو کے علاوہ آدمی نہ آدم زاد، بیچاری ماں جوشِ محبت سے بے قرار، پانی کی جستجو میں پہاڑوں کا چکر لگانے پر مجبور، اضطراب و پریشانی ضرور ہے لیکن یاس و قنوطیت سے دل دور ہے اور اعتماد و توکل سے قلب معمور، شاید چشم فلک نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا ہو۔

رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے، معجزانہ چشمہ حیواں پھوٹ پڑتا ہے یہی وہ مبارک چشمہ ہے جسے دنیا بئر زمزم کے نام سے جانتی ہے جس سے سارا عالم فیضیاب اور سیراب ہو رہا ہے اس طرح زندگی کا سامان مہیا ہوتا جاتا ہے بچہ بڑھتا ہے، کچھ سیانا ہوتا ہے، باپ کے ساتھ اندر باہر جانے کے لائق ہوتا ہے فطرۃً باپ کو اس سے لگاؤ اور اس کی طرف دل کا جھکاؤ ہوتا ہے اس کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک اور قلب کو سرور میسر ہوتا ہے، اس کو دل کا تارا، بڑھاپے کا سہارا، تصور کرنے لگتے ہیں، لیکن یہی سب سے بڑی مشکل ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کے خلیل ہیں، انکا دل صرف اللہ کی خالص محبت کے مخصوص ہے، اور محبت کو شرکت گوارہ نہیں ہے لہٰذا حکم ہوتا ہے کہ اس نور نظر، لخت جگر کو میری محبت پر قربان کردو، نیند سے بیدار ہو کر بیٹے سے مشورہ کرتے ہیں، چشم فلک نے کب ایسا منظر دیکھا ہوگا؟ کہ ایک باپ بیٹے کو ذبح کرنے کا مشورہ خود اسی سے کر رہا ہو لیکن بیٹا بھی کیسا! غایت درجہ سعادت و نجابت، اور امر الٰہی کے سامنے تسلیم و رضا کا پیکر ہے فوراً آمادہ ہو جاتا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ وہ خود نبی تھا، نبی کا بیٹا نبی کا دادا تھا مشورہ دیتا ہے! ابا! آنکھوں پر پٹی باندھ لیجئے مبادا میری صورت دیکھ کر کہیں آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آجائے، اور آپ اس امتحان میں ناکام ہو جائیں۔ ع

"سکھایا کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی"

"قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ"

اب وہ لمحہ آتا ہے جس کو دیکھ کر فرشتے بھی مضطرب ہیں اور جن و بشر بھی، حیران و ششدر اپنے لخت جگر کو باپ زمین پر لٹاتا ہے، اور دل پر نہ جانے پتھر کی کون سی سل رکھ کر حلقوم اسماعیل پر چھری چلاتا ہے، اس منظر کو دیکھ کر زمین بھی کانپ جاتی ہے، اور آسمان بھی تھرا جاتا ہے، اور اس نذرانہ محبت کے سامنے محبت کی ساری داستانیں ہیچ اور عشق و سرمستی کی کہانیاں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں، لیکن مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی، بیٹے کی جگہ جنت کے مینڈھے نے لے لی اور اسماعیل علیہ السلام "وفدیناہ بذبح عظیم" سے زندہ جاوید بنا دیے جاتے ہیں۔

اس لیے کہ مقصود حضرت اسماعیل کا ذبح کرنا نہ تھا بلکہ اس محبت کو ذبح کرنا تھا جو اللہ کی محبت میں شریک اور رقیب بنی دکھائی دے رہی تھی، یہ محض خون اور گوشت کی قربانی نہیں تھی، بلکہ روح اور دل کی قربانی تھی، یہ ماسوی اللہ اور غیر کی محبت کی قربانی خدا کی راہ میں تھی، یہ اپنے عزیز ترین متاع کو خدا کے سامنے پیش کر دینے کی نذر تھی، یہ خدا کی اطاعت، عبودیت اور کامل بندگی کا بے مثال منظر تھا، یہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا وہ امتحان تھا جس کو پورا کیے بغیر دنیا کی پیشوائی اور آخرت کی نیکی نہیں مل سکتی، یہ باپ کا اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین کو رنگین کر دینا نہ تھا بلکہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات اور خواہشوں، تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی تھی، دراصل آج کے جانوروں کی قربانیاں اسی ذبح عظیم کی یادگار ہیں، اور اس اندرونی نقش کا ظاہری عکس، اور اس خورشید حقیقت کا ظل مجاز ہیں، ایک مسلمان "قل ان صلاتی ..... الخ" کا زبان سے اقرار کرتا ہوا جانور کی گردن پر چھری پھیر کر اس بات کی تمثیل پیش کرتا ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کے حکم کے سامنے وہ اپنی ہر متاع عزیز کو قربان حتی کہ اللہ کے راستے میں جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہے، اگر یہ جذبہ نہیں ہے تو پھر قربانی، قربانی نہیں بلکہ صرف ایک مظہر ہے جس کی اللہ کی نظر میں کوئی قیمت نہیں "لن ینال اللہ لحومھا ولا دمائھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم"۔

☆☆☆☆☆

حضرت اکبر الٰہ آبادیؒ کی پیشین گوئی

"..... آج ۱۹۳۷ء میں ہم کو اور آپ کو جو کچھ بہ چشم شہود نظر آرہا ہے شاعر امت اور حکیم ملت (اکبر الٰہ آبادی) کی نگاہ کشفی نے اسے ۳۵،۳۰ سال قبل ہی صفائی کے ساتھ پڑھ لیا تھا۔ آنکھیں نم ہوئی جاتی ہیں دل کچھ بیٹھا سا جاتا ہے، اور جو کچھ خود دیکھ رہے تھے دوسروں کو دکھاتے جا رہے ہیں۔

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے	☆ نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے
نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی	☆ نہ ایسا بیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے
نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردہ کی یہ پابندی	☆ نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے
بدل جائے گا انداز طبائع دور گردوں سے	☆ نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہوں گے
عقاید پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے	☆ نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے
ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی	☆ لغات مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہوں گے
بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں	☆ زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے
کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا	☆ ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہوں گے
تمہیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبر	☆ بہت نزدیک ہے وہ دن کہ ہوگے نہ ہم ہوں گے

انقلاب دہر اپنے وقت پر بہر حال آیا وہ دن آگیا کہ غم کھانے والا اکبر نہ رہا اور وہ دن آرہا ہے کہ خود اس نئے آئین اکبری کو سنانے والا بھی نئے سے پرانا ہو کر مٹ مٹا کر نسیاً منسیاً ہو چکا ہوگا۔"

(انشائے ماجدی، ص: ۲۳۵)

جائزہ

آخری قسط

امریکی معاشرہ

مشاہدات کے آئینہ میں

سلمان نسیم ندوی

شیکاگو کی تمدنی واخلاقی حالت

"شیکاگو شہر امریکہ کا دوسرے نمبر کا بڑا اور متمدن شہر ہے، یہ بعض خصوصیات میں نیویارک سے بھی ممتاز ہے، یہاں سلیقہ اور نظم نیویارک سے بہتر ہے، نیویارک شہر آبادی، کاروبار اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے قابو سے باہر معلوم ہوتا ہے، شیکاگو کو بھی امریکی تہذیب وتمدن کے بنے بنائے ایک جیسے راستہ پر ہے اور کچھ عرصہ قبل تو اس خصوصیت میں زیادہ شہرت رکھتا تھا، لیکن اب نیویارک بھی اس معاملہ میں کم نہیں ہے، بلکہ غالباً اس کا درجہ شیکاگو سے بڑھا ہوا ہے، یہ دونوں شہر ہی کیا اس وقت تو پورا امریکی تمدن مجرمانہ کاموں میں اسی طرح امتیاز رکھتا ہے جیسا کہ اپنی سائنسی ایجادات وترقیات میں، اگر قانون، عدالت اور پولیس کا ڈنڈا ہمہ وقت سر پر نہ رہے تو یہاں جرائم کی وہ گرم بازاری ہو کہ لوگ گھبرا کر امریکہ سے بھاگ نکلیں، چوری کوئی عیب نہیں بشرطیکہ چور پولیس کی زد میں نہ آئے، اسی طرح آبروریزی اور ڈکیتی یہاں کوئی اہم واقعہ نہیں، لیکن عدالت اور پولیس کی کارگردگی قابل اطمینان اور موثر ہے اس میں بہت کم جھول ہے، اس وقت امریکی تمدن کے جرائم کے دباؤ سے تباہ ہونے میں یہی دو طاقتیں مانع ہیں، مجرم انہی کے ساتھ بے بس ہو جاتے ہیں" (دو مہینے امریکہ میں، صفحہ:۲۵۳)

یہ صرف شیکاگو کی کہانی نہیں بلکہ اب تو یہ امریکہ کی عام حالت ہے، عربی میں ایک کتاب جناب احمد منصور صاحب نے "سقوط الحضارۃ الغربیۃ: رؤیۃ من الداخل" تحریر کی ہے، اس میں دوسرے جائزوں کے ساتھ ساتھ واشنگٹن کی گلیوں میں یک شمی سیاحت کا نقشہ کھینچا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ صرف اور صرف مجرموں کا ملک ہے، جرائم کے رکارڈز بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔

خاندان اور اس کا ماحول معاشرہ کا ایک اہم جز ہوتا ہے، معاشرہ پر لکھتے وقت اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مغرب میں جو مشرقی آباد ہیں ان کی آنگن کی بات نریندر لوتھر صاحب انے اپنے انداز میں لکھی ہے، اور پس منظر میں مغربی درونِ خانہ کے راز بھی وا کردئے ہیں، لکھتے ہیں:

"ہندوستان اور انگلستان دونوں کی کلچرل قدروں کو ساتھ ساتھ نبھانا مشکل ہوتا ہے، مثلاً جہاں انگریز لڑکیاں شام دیر تک اپنے یاروں کے ساتھ پبّوں میں گھومتی پھرتی ہیں وہاں ہندوستانی لڑکیوں کو سورج ڈھلے سیدھے گھر آنے کی ہدایت کی جاتی ہے، چونکہ انگلستان میں سورج یا تو طلوع نہیں ہوتا، اور اگر ہوتا بھی ہے تو فوراً ڈھل جاتا ہے اس لئے یہ لڑکیاں ہمیشہ گھر کی طرف ہی بھاگتی رہتی ہیں، اس رویہ کی وجہ سے ان کو اپنی سہیلیوں کے طعنے سننا پڑتے ہیں، پھر شادی کے معاملہ میں بھی ہندوستانی بہت دقیانوسی ہیں، وہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ 'دُر' ہندوستان ہی سے درآمد کیا جائے، ہندوستان میں پلے ہوئے لڑکے اور لڑکیاں وہاں کے بچوں کو بہت آزاد طبیعت پاتے ہیں اور اس لئے بیشتر شادیاں جلد ہی ٹوٹ جاتی ہیں، کئی نوجوان علمِ بغاوت بلند کر کے وہیں کسی انگریز سے شادی کر لیتے ہیں لیکن ایسی شادیاں بھی اکثر ناکام رہتی ہیں، نتیجتاً عام طور پر نوجوان نسل کے لوگ فیض کے مصرع 'جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے' کے مصداق شادی کے منڈپ سے نکلتے ہیں تو طلاق کی عدالت کی طرف چل پڑتے ہیں، اس طرح ان کی زندگی میں ہمیشہ گہما گہمی رہتی ہے اور ان میں وہ پھیکا پن اور افسردگی نہیں آپاتی جس کی وجہ سے اکثر شادیاں کھٹائی خطرے میں پڑجاتی ہیں، دراصل اس میں ان کا بھی کوئی قصور نہیں، یہ گرہستی ہے ہی ایسی چیز کہ اس کا چلانا بڑا جوکھم کا کام ہے، نہ جانے ہم ہندوستانی کیسے ایک ہی شادی پر تکیہ کئے ہوئے ہیں!

ہم سے وہاں ایک انگریز نے ہندوستانی شادیوں کی کامیابی اور طوالت کا راز پوچھا، ہم نے کہا: بیگم سے پوچھئے، اس نے بیگم سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا، جب میرے خاوند نے آپ کو سب کچھ بتا دیا تو میرے پاس بتانے کو کیا رہ گیا ہے؟ (ہوائی کولمبس، صفحہ:۳۱)

امریکا جدید ترقیات کی علامت بن گیا ہے، لیکن تحقیق بتاتی ہے کہ ان ترقیوں، ایجادات واکتشافات میں امریکا کی حیثیت ایک ملازم اور ورکر سے زیادہ کی نہیں ہے، مواد اور میٹریل دوسروں نے فراہم کی ہے، اور اس میں سرفہرست عرب اور ان کی تحقیقات وریسرچ ہیں، نریندر صاحب نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

"ہمیں ایسا لگا کہ ہم انسانوں کے نہیں دیوؤں کے شہر (ٹیکساس) میں پہونچ گئے ہیں، ٹیکساس کے لوگ بڑے زمیندار ہیں، جہاز سے اُترنے کے آدھے گھنٹے بعد ہم اپنے میزبان کے عالیشان بنگلے میں پہونچ گئے یہ شہر سے باہر تھا اور یہاں چاروں طرف کھلے پارک اور ہریاول تھی، کار گیراج کے پاس پہونچی تو گیراج کا گیٹ خود بخود کھل گیا، ہم نے کہا آپ کا نوکر بہت اسمارٹ ہے ہمیں تو ہارن بجا کر اپنے نوکر کو بیدار کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر وہ دروازہ کھولتا ہے، ہمارے میزبان جن کا نام راجو تھا، مسکرائے، بولے یہاں نوکروں کو بھول جائے، یہ تو خود میں نے آٹو میٹک طریقے سے گیٹ

کھولا ہے اور کہہ کر انھوں نے ہمیں "ریموٹ کنٹرول" کا آلہ دکھایا، اب ہمیں معلوم ہوا کہ "علی بابا چالیس چور" میں "کھل جا سم سم" کہہ کر چوروں کا سردار کیسے غار کا گیٹ کھول لیتا تھا، اس کے پاس بھی ضرور ایسا ہی ریموٹ کنٹرول آلہ ہوگا، اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ امریکہ نے یہ ٹیکنالوجی عربوں سے حاصل کی تھی جسے وہ اب اپنی جتلا کر دوسروں کو بیچتے ہیں، ہمارے میزبان ایک ممتاز سائنٹسٹ تھے، ہم نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتلایا کہ یہ مسئلہ امریکہ میں زیر بحث رہا ہے اور اس پر کافی ریسرچ بھی کی گئی ہے، ایک سیاہ فام امریکی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ "کھل جا سم سم" ٹیکنالوجی جس کو آج کل الیکٹرانکس کہتے ہیں، عربستان ہی سے آئی ہے، یہ کیسے آئی؟ یہ ایک لمبی کہانی ہے، مختصراً یہ کہ چالیس چوروں سے یہ ٹیکنالوجی علی بابا نے چُرائی، علی بابا کے ایک پڑپڑ پڑپوتے کو ایک سفر کے دوران سمندری لٹیروں نے قید کر لیا اور اسے غلام بنا کر امریکنوں کو بیچ دیا، اس نوجوان میں بھی علی بابا کی سی ہوشیاری تھی، اس نے ریموٹ کنٹرول کا راز امریکیوں کو بتا کر رہائی حاصل کر لی، صرف خربوزہ ہی خربوزہ دیکھ کر رنگ نہیں پکڑتا ہے بلکہ یہ خصلت ہر چیز میں، اس طرح ایک ٹیکنالوجی سے دوسری نکلی اور دوسری سے تیسری، نتیجہ یہ کہ اس دن سے آج تک امریکہ نے ٹیکنالوجی کے ہر شعبہ میں اپنی سبقت بنائے رکھی ہے لیکن اس تھیوری کے بعد ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ چالیس چوروں نے یہ ٹیکنالوجی کہاں سے حاصل کی؟" (ہوائی کولمبس، صفحہ:۴۳-۴۱)

امریکی معاشرہ کا ایک اور رُخ ملاحظہ ہو، یہ صرف ایک جنرل اسٹور کی کہانی نہیں ہے بلکہ یہ امریکی ذہنیت اور ساخت کا ترجمان ہے:

"امریکہ میں ہر چیز کی بہتات ہے، اگر ضرورت ایجاد کی ماں ہے تو امریکہ بیٹیوں کا ملک ہے، کئی ایسی چیزیں، ہتھیار، اوزار، آرائش کے سامان، کھیل کود کے ذرائع، کاریں، دوائیں جن کا ہمیں کبھی خیال بھی نہیں آسکتا تھا، ہمیں وہاں دیکھنے کو ملیں، کئی تو ایسی چیزیں دیکھنے کو ملیں جن کو دیکھ کر ضرورت یاد آئی اور ہمیں حیرانی ہوئی کہ ہم اب تک ان چیزوں کے بغیر زندگی کیسے گذار رہے تھے، جو شخص بھی ایک بار کسی بڑے ڈپارٹمنٹ اسٹور میں داخل ہوتا ہے وہاں سے نکلنے پر بدلا ہوا شخص ہوتا ہے، وہاں داخل ہونے سے لیکر گھر پہونچنے تک ہر قسم کی ضرورت، سہولت اور فضولت وہاں دستیاب ہوتی ہے، سودا سلف خریدتے خریدتے آپ تھک جائیں تو چائے خانہ کو موجود پائیں گے، خرید وفروخت کے وقت بچے تنگ کریں تو ان کے کھیل کود کا سامان وہاں مل جائے گا، کوئی حاجت ہو تو اس کو رفع کرنے کے ذرائع حاضر ہیں گے، معذور لوگوں کے لئے کار پارک کرنے کا، ٹائلٹ کا، چیزیں چننے کا، پیسہ دینے کا علیحدہ انتظام ہے، آپ نے انداز سے زیادہ چیزیں خرید لی ہوں تو کوئی بات نہیں، فوراً آپ کا کھاتہ کھول دیا جائے گا اور آپ کو ادھار دے دیا جائے گا، ہندوستان میں ادھار کو محبت کی قینچی کہا جاتا ہے، امریکہ میں ادھار محبت کا "سیلوٹیپ" ہے یا گوند ہے..... امریکہ میں انسان اپنے آپ کو ریس سمجھ بیٹھتا ہے اور پیسہ نہ ہونے پر بھی شاپنگ جاری رہ سکتی ہے، بل چکانے کے لئے بھی 'کیو' اور ان میں سے کئی 'اکسپریس کیو' ہوتے ہیں، بل دینے کے کاؤنٹر کے پاس ہی چاکلیٹ، رسالے، کیسٹ اور بچوں کی من پسند چیزیں ہوتی ہیں تا کہ آخری وقت میں بچے ضد کرنا شروع کر دیں کہ ہمیں فلاں چیز لے دو تو وہ آسانی سے مل جائے، امریکنوں نے واقعی انسانی خصلتوں کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اسے لبھانے اور لبھانے کے لئے ہر طرح کے ذرائع استعمال کئے ہیں، وہاں کے اسٹوروں میں جانا بذاتِ خود ایک تعلیم ہے، ہماری تعلیم میں جو کمی رہ گئی تھی وہ ہم نے وہاں کے اسٹوروں میں جا کر پوری کر لی" (ہوائی کولمبس، صفحہ:۹۸)

قارئین! اس مضمون کو تحریر کرتے وقت میرے ذہن میں یہ خاکہ تھا کہ جس امریکا کو آج ہم ایک سُپر پاور کی حیثیت جانتے ہیں، اس امریکا کے اندر کیا کیا ہے؟ اور کیا ہو رہا ہے؟ اس کو دیکھیں، اس تناظر میں جب ہم نے مطالعہ شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اس پر کافی کچھ موجود ہے، اور اس طرح یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا، یہاں ایک بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ انتخاب میں ہم نے انہی اقتباسات کو ترجیح دی ہے جن سے ایسا عام خاکہ اور تصویر سامنے آئے جس پر مکانی اور زمانی بُعد اثر انداز نہ ہو، اس لئے جو بھی تحریریں پیش کی گئی ہیں ان میں تازگی اور زندگی برقرار ہے، ابھی ہمارے پاس بہت کچھ مواد محفوظ ہے لیکن اگر یہ سلسلہ دراز ہوا تو دیگر اہم عصری موضوعات کی حق تلفی ہوگی، اس لئے اس سلسلہ کی یہ آخری کڑی ہے، مضمون کا آغاز مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (مدظلہ) کی تحریروں سے کیا تھا، جو ۱۹۷۷ء کے آس پاس تحریر کئے گئے تھے، یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اختتام کے موقع پر بھی مجھے مولانا کی ایک دوسری تحریر مل گئی جو امریکا اور یورپ کے تجزیاتی مطالعہ پر مشتمل ہے، امریکا کے پہلے دورہ کے بعد آپ کا یہ دوسرا دورہ ۱۹۹۴ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ کی معیت میں پیش آیا، اس تحریر کو سپرد قلم کرنے کے بعد آج ۱۷ سال بعد اس کو دوبارہ قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں، اس تجزیہ سے آپ محسوس کر سکیں گے کہ مولانا نے ۱۷ سال پہلے جن خطوط کی نشاندہی کی تھی امریکا اسی پر چلتا رہا اور آج وہی نتائج سامنے ہیں، اگر یہ پہلو سامنے نہ آتا تو مضمون تشنہ رہ جاتا، اخیر میں مسلمانان عالم کے نام پیغام بھی ہے:

"امریکہ کے تازہ سفر میں مَیں نے گذشتہ ۱۶ سال قبل کی بہ نسبت فرق محسوس کیا، پہلے جب گیا تھا تو امریکہ کو تمدن وخوش حالی میں بہت بلند مقام حاصل تھا مگر اب کمی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ اقتصادی اعتبار سے امریکہ بہت ہی بہتر حالت میں ہے لیکن یہ بات واقعاتی طور پر پوری طرح صحیح نہیں ہے، اقتصادی طور پر امریکہ میں بھی بدحالی کی ابتدا ہوگئی ہے، اگر امریکہ بدحالی کے بڑھنے پر کمزور ہوا اور ٹوٹا تو اس کی جگہ کون پُر کرے گا یہ ایک اہم سوال ہے۔

یہودیوں کا اثر امریکہ پر بہت ہے حالانکہ یہودی کُل آبادی میں بہت کم تناسب رکھتے ہیں، شاید ایک کروڑ

بلکہ ۹۰،۸۰ لاکھ ہوں گے، جبکہ پوری آبادی امریکہ کی ۲۳ کروڑ ہے یعنی یہودی ۳ فیصد ہیں، اس کے باوجود وہ امریکہ کی پالیسی پر قابض ہیں، امریکہ ان کا رہین منت ہے، اور ایک لحاظ سے وہ ان کا غلام ہے اور وہ اپنے دِماغ اور اپنی محنت وتدبیروں سے امریکہ کے کلیدی اور اہم عہدوں پر حاوی ہوگئے ہیں، یہودیوں نے سب سے پہلے اقتصادیات، ذرائع ابلاغ اور تعلیم ان تینوں کو اپنا نشانہ بنایا تھا اور انہوں نے ان پر قبضہ حاصل کرلیا۔

گذشتہ قریبی مدت میں دُنیا میں ایسے حالات پیش آئے کہ اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ بااثر ملک امریکہ بن گیا ہے، وہ اپنے سیاسی اثر ورسوخ کا استعمال کرتا رہتا ہے، اور قرض وامداد کے حربے کو کام میں لاتا ہے یعنی ضرورت مند ممالک کو امدادیں دیتا یا دلواتا ہے، قرضوں کا محصول سودی ہوتا ہے اور بڑے ملک یہ قرض مشروط ڈھنگ سے دیتے ہیں، ان دونوں وجوہ سے قرض لینے والے ملک بندھ جاتے ہیں اور قرض دینے والے کو اس طرح تجارتی مفاد بھی حاصل ہوتا ہے اور سیاسی اثر ورسوخ بھی، آج کل کا اقتصادی نظام ایسا ہے کہ قرض دینے والا بھی فائدہ میں رہتا ہے، اس کی اصل رقم محفوظ رہتی ہے اور اس کا سود ہر سال ملتا ہے، لہٰذا آمدنی کا ذریعہ بھی ہے اور اثر ورسوخ کا بھی، بیشتر مشرقی ممالک مغربی ممالک کے مقروض ہیں اور مقروض ہوتے جارہے ہیں..... اس وقت صورتحال یہ بن گئی ہے کہ ساری دُنیا کے ملک بشمول اس امداد اور قرضوں کے ایرپھیر کے سبب زیادہ تر امریکہ کے غلام ہوگئے ہیں، امریکہ اپنی بالادستی سے جو دباؤ ڈالتا رہتا ہے وہ ہی کیا کم ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنی پالیسی ومصالح کی خاطر دنیا کے مختلف ممالک اور خطوں میں سازشیں بھی چلاتا رہتا ہے اور کسی طاقت کو اُبھرنے اور مضبوط ہونے نہیں دینا چاہتا، سب کو دباؤ میں رکھنا چاہتا ہے، چنانچہ جو بھی طاقت بن کر اُبھرنے لگے سیاسی یا اقتصادی تدبیروں سے اس کو گرادیا جاتا ہے یا اس کی ہمسر طاقت سے اس کو لڑادیا جاتا ہے اور اس کی اُبھرتی ہوئی طاقت کو تباہ وبرباد کردیا جاتا ہے۔

اس طرح کی سازشوں کے لئے انہی ممالک کے اہل سیاست میں سے کسی کو ذریعہ بنایا جاتا ہے اور ایسے لوگ بھی مشرقی ممالک میں بآسانی مل جاتے ہیں، یہ لوگ بھی جاہ ومال کے ذاتی فائدوں کے لئے ہر برا کام کرسکتے ہیں، قوم کو تباہی کے کنارے پہونچا سکتے ہیں، چنانچہ مشرقی ممالک میں ایسے لوگ کئی جگہ ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ قرض لینے والے اس کے نتائج پر دھیان نہیں دیتے، قرض فوری طور پر تو بہت فائدہ اور لطف کی چیز ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے پریشانی کا باعث ہوتا ہے لیکن جب کوئی اپنے مصارف بڑھالے اور اپنی اصلی آمدنی پر اکتفا نہ کرسکے یا اس کے حالات اتنی آمدنی پر اکتفا کرنے کے نہ ہوں تو پھر وہ قرض کا سہارا لیتا ہے، اور اگر وہ بار بار قرض لیتا ہو تو انجام معلوم ہے.....

مگر اب یورپ اپنی ظالمانہ اور من مانی اور خود غرضانہ زندگی کی ڈھیلی اور بڑی چادر میں الجھ کر گرنے والا ہے، امریکہ اپنی سیاسی واقتصادی ہوس سے دوسری قوموں کے مسائل میں زیادہ الجھتا جارہا ہے، اس کی وجہ سے خود اس ملک کی ترقیات میں غفلت ہورہی ہے اور اس کی وجہ سے اور اس کے اقتصادی معاملات سے اس کی اقتصادی صورت حال متاثر وکمزور ہونے لگی ہے، مختلف ملکوں کے سیاسی مقصد سے قرض دیئے چلا جاتا ہے اس کے لیے دشواری کا سبب بن رہا ہے، عالمی منڈی میں اس کی تجارت کو بھی زوال ہورہا ہے لہٰذا امریکہ اقتصادی میدان میں پیچھے ہوجانے سے ڈر رہا ہے اور اپنے اقتصادی مسائل میں الجھنے لگا ہے۔

دوسری طرف جرمنی اور جاپان اقتصادیات میں کافی آگے بڑھ گئے ہیں اور امریکہ کو آنکھیں دکھانے لگے ہیں، دنیا جاپان کے مال کو زیادہ اہمیت دیتی ہے، جاپان کا مال سستا ہوتا ہے چنانچہ پوری دنیا میں جاپان کا مال زیادہ چل رہا ہے۔

امریکہ اپنی سابقہ کوششوں سے دنیا کا واحد سب سے بڑا ملک بن گیا ہے اور اپنی سازشوں اور استحصالی ترکیبوں سے دنیا کا ناپسندیدہ ملک بن گیا ہے پوری دنیا پر اس کا سیاسی واقتصادی دباؤ ہے، مشرق وسطیٰ پورا اس کی مٹھی میں ہے وہاں صرف ایران اور سوڈان امریکہ کی تابعداری سے گریز کرنے کی جرأت کررہے ہیں اور امریکہ کے دباؤ سے بچنے کی جدوجہد میں لگے ہیں کہا نہیں جاسکتا ہے کہ وہ کہاں تک مقابلہ کرسکیں گے.....

اس وقت امریکہ کے پاس اقتدار کی سب سے بڑی طاقت ہے لیکن اب ایک بڑی تبدیلی کے آثار نمایاں ہورہے ہیں، اس لیے کہ پوری دنیا امریکہ کی شرارتوں کو سمجھنے لگی ہے۔

ہمارے فائدہ کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی طاقت اور کمزوری کو سمجھیں اور اس کے مطابق اپنے کو تیار کریں اور دوسرے یہ کہ اپنے دشمن کی طاقت وکمزوری کا صحیح اندازہ لگائیں، دشمن کو کمزور سمجھنا اور نعروں اور جوشیلے بیانات پر خوش ہوجانا صحیح بات نہیں ہے، اس سلسلہ میں مسلمان ملک بہت پیچھے ہیں ایک وہ طبقہ ہے جو آنکھ بند کرکے یورپ کی برتری کا قائل ہے، اور یورپ کے علم وتمدن سے بھی بیحد مرعوب ہے اور ایک طبقہ ایسا ہے جو خود سے کچھ کرنے کی ہمت ہی نہیں رکھتا یہ جاننا ہی نہیں کہ کون طاقت ور ہے اور کون کمزور ہے۔

آج ضرورت ہے اقتصادیات، ذرائع ابلاغ اور تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کی، اقتصادیات تو ترقیات کی کنجی ہے اور تعلیم وذرائع ابلاغ غیر معمولی اثرات پیدا کرتے ہیں اس لیے کہ جو چیز دل ودماغ میں ڈالی جاتی ہے وہ ہی دل ودماغ میں بھر جاتی ہے اور پھر وہی نکلتی ہے اور اس سے آدمی کا کردار بنتا ہے اور حکمتِ عملی پیدا ہوتی ہے۔

ہمیں ماضی کے واقعات سے سبق لینا چاہیے، ۲۰۰، ۳۰۰ سال سے مسلمانوں کی زوال کی حالت کیوں چل رہی ہے اس کی تاریخ کا جامع مطالعہ کرنا چاہیے، مختلف ممالک میں کیا کیا کوتاہیاں کی گئیں اور مغربی قوموں نے کس کس طرح اپنے جال میں پھنسایا اور کن تدبیروں سے پھنسایا، تاریخ، سیاست، اقتصادیات، نفسیات اور جغرافیائی معلومات میں سب مواد مل جائے گا اور ان کا مطالعہ یقیناً باعث عبرت وبصیرت بن سکتا ہے.....''

☆☆☆☆☆

☆ زندہ قومیں اپنے اسلاف کے شاندار کارناموں سے روشنی حاصل کرتی ہیں

☆ معاشرہ کی اصلاح اخلاق وسیرت کی اصلاح کے ذریعہ انجام پاتی ہے

☆ مسلمانوں کی موجودہ پس ماندگی اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے ہے

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کا مختلف اجتماعات سے خطاب

رپورٹ..... محمد وثیق ندوی

[حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۱۴ تا ۲۶ر نومبر بنگلور، ممبئی اور دہلی کا دورہ کیا، دوران سفر حضرت ناظم صاحب مدظلہ العالی نے مختلف پروگراموں، جلسوں اور سیمناروں میں شرکت فرمائی، دینی، تعلیمی اور تربیتی اداروں کا دورہ کیا، تعلیم وتربیت اور دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں سے ملاقتیں کیں اور مختلف قومی، ملی اور ملکی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا، حضرت مولانا کے ساتھ سفر میں حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، حاجی عبد الرزاق صاحب اور مکرم شاہد حسین صاحب رہے، ذیل میں سفر کی مختصر روئیداد ملاحظہ فرمائیں۔]

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء اپنے رفقائے سفر کے ساتھ ۱۴ر نومبر کو بذریعہ ٹرین ناگپور کے لئے روانہ ہوئے، ۱۵ر نومبر کو آپ ناگپور تشریف لائے، جہاں حضرت مولانا نے مختلف پروگراموں میں شرکت فرمائی، سب سے پہلے مفسر قرآن حضرت مولانا عبد الکریم پاریکھ رحمۃ اللہ علیہ کے اہل خانہ سے تعزیت کے لئے تشریف لے گئے، اور مرحوم کے پسماندگان سے ملاقات کی اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر اپنے گہرے غم ورنج کا اظہار کیا اور اہل خاندان کو صبر جمیل کی تلقین کی، حضرت مولانا مدظلہ العالی نے حضرت مولانا مرحوم کے اہل خاندان کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں اور مولانا مرحوم کے تعلقات بیان کئے، اور خاص طور پر پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے کئے گئے کام کو بہت سراہا، نیز غیر مسلموں کے سامنے اسلام کا صحیح تعارف کرانے میں ان کا کردار بہت اعلیٰ ثابت ہوا، قرآن مجید کی تشریح وتوضیح کے سلسلہ میں جو کام انجام دیا وہ ان کا طرۂ امتیاز ثابت ہوا، اور اس سے ہزاروں ہزار لوگوں کو فائدہ حاصل ہوا، حضرت مولانا مدظلہ العالی نے مولانا مرحوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے افراد خاندان کو مرحوم کے کام کو کرنے اور اس کو سلف کے طریقہ کے مطابق ہی رکھنے کی تلقین کی۔

بعد نماز مغرب جامع مسجد مومن پورہ میں حضرت مولانا عبد الکریم پاریکھ کی حیات وخدمات پر منعقدہ اجتماع میں شرکت کی، حضرت مولانا مدظلہ العالی نے وہاں بھی مولانا مرحوم کی دینی، ملی، علمی اور دعوتی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے حادثۂ وفات کو عظیم ملی خسارہ قرار دیا، مسلمانوں کی مختلف تنظیموں اور تحریکوں سے ان کی وابستگی، خاص طور پر پیام انسانیت تحریک میں قائدانہ رول پر روشنی ڈالی، نیز مولانا مرحوم کے ندوہ اور اہل ندوہ خصوصاً حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلقات کا تفصیل سے ذکر کیا۔

اس اجتماع میں مولانا مدظلہ العالی کے علاوہ جناب قاری قاسم صاحب چنئی، جناب اسماعیل ظفر صاحب کلکتہ، جناب پروفیسر انیس چشتی صاحب پونہ، جناب مفتی اشرف صاحب باقوی بنگلور اور دیگر اہم شخصیات نے شرکت کی، اور مولانا مرحوم کی زندگی اور خدمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب کے بڑے صاحبزادہ عبد الغفور پاریکھ صاحب نے اپنے خاندان کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت مولانا مدظلہ العالی کا استقبال کیا، اور توقع ظاہر کی کہ مولانا مرحوم کی زندگی میں جس طرح روابط تھے امید ہے اسی طرح قائم رہیں گے، اور خاندان پاریکھ کو رہنمائی ملتی رہے گی۔

دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور میں آمد اور طلبہ سے خطاب:

۱۷ر نومبر بعد نماز مغرب دار العلوم سبیل الرشاد کے ایوان علامہ شاہ ابو المعود میں حضرت مولانا مدظلہ العالی کی آمد پر ایک استقبالیہ جلسہ منعقد ہوا، اس موقع پر حضرت مولانا مدظلہ العالی نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: عزیز طلبہ! آپ جس ماحول میں ہیں اس میں نصیحت کی شدید ضرورت ہے، بلکہ انسان کا سارا نظام اسی پر ہے کہ واقف ناواقف کو واقف کراتا ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا ''حاضرین غائبین تک یہ باتیں پہونچا دیں قرآن وحدیث کا علم حضور ﷺ سے ہمیں ملا ہے، احسان عظیم ہے آپ ﷺ کا، پھر صحابہ کا، اس کے بعد والوں کا، اس طرح یہ علم ہم تک پہونچا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو حصول علم کی صلاحیت عطا کی، برخلاف دیگر مخلوقات کے ان میں حصول علم کا کوئی تصور نہیں، حضرت مولانا نے طلبہ کو علم کے حصول میں محنت وکوشش کرنے پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ کو اس بات پر اعتماد ہونا چاہیے، کہ آپ جس جگہ پر آئے ہیں، بالکل صحیح جگہ ہے اگر اعتماد نہ ہوگا تو پھر پڑھنے میں جی نہیں لگے گا، لہٰذا مقصد ہمیشہ سامنے ہونا چاہئے، خوب محنت کے ساتھ علم حاصل کریں، علم درجہ ہی میں حاصل نہیں ہوتا، بلکہ مطالعہ سے بھی حاصل ہوتا ہے، جو بھی کتاب ہے اس سے متعلقہ کتب کا مطالعہ کریں، آپ کا علم بڑھے گا،

الغرض یہاں کے فیض کو پوری طرح حاصل کریں کہ فراغت کے بعد آپ خوشی محسوس کریں گے، اللہ تعالی آپ کو کامیابیاں عطا کرے۔ (آمین)

اس سے پہلے امیر شریعت مولانا مفتی اشرف علی باقوی نے حضرت مولانا مدظلہ العالی کی آمد پر دلی عقیدت ومحبت اور قلبی فرحت ومسرت کا اظہار کرتے ہوئے استقبال کیا، اور معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔

اس موقع پر حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ علم بغیر جدوجہد اور مشقت برداشت کئے حاصل نہیں ہوتا، علم بڑی قربانی چاہتا ہے، ہمارے اسلاف کی سیر وسوانح میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ انہوں نے حصول علم کی راہ میں کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کیں، کس شوق و محنت سے علم حاصل کیا، اور قربانی دی، حصول علم کے شائقین دور دراز کا سفر کرتے اور اس کے لئے بڑی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کرتے، حضرت مولانا نے حصول علم میں یکسوئی اور مطالعہ واسباق میں انہماک پر زور دیتے ہوئے علماء سلف کے متعدد واقعات بیان کرتے ہوئے شیخ شرف الدین یحیی منیری کا ذکر کیا کہ سنارگاؤں کے زمانہ قیام میں وطن سے جو خطوط آتے تھے ان کو آپ کسی گھڑے میں ڈالتے جاتے تھے، اور اس خیال سے نہیں پڑھتے تھے کہ طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی، اور حصول مقصد میں خلل واقع ہوگا، آپ نے فرمایا کہ طالب علم شعور سے بنتا ہے، جیسا شعور اور جذبہ ہوگا ویسی ہی شخصیت بنے گی، لہذا طلبہ اپنے اندر روح فی العلم کا جذبہ پیدا کریں اور علم کے حصول کا نیک اور نافع مقصد اور غایت طے کریں، مولانا نے اپنے اندر شکر کا جذبہ پیدا کرنے پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالی نے آپ کو سب سے اہم اور قیمتی قرآن کریم وحدیث شریف کا علم سیکھنے کے لئے منتخب فرمایا ہے، اور اس کے لئے آپ کو بہتر سے بہتر وسائل مہیا فرمائے ہیں، اگر آپ تاریخ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ علماء سلف نے حصول علم کی راہ میں کتنی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں، کہ کتب بینی کے لئے روشنی نہیں، وہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے تھے، قیام و طعام کا کوئی انتظام نہیں تھا، لیکن وہ علم کے حصول میں پوری یکسوئی اور پورے انہماک کے ساتھ لگے رہتے تھے، آپ شکر ادا کریں کہ آپ کے لئے کتنی سہولتیں اور آسائشیں مہیا ہیں، شکر کے جذبہ کے ساتھ مدرسہ کی نظام کی پوری پابندی کریں اور اپنے اساتذۂ کرام کے مشورہ کے مطابق طلب علم میں مشغول رہیں۔

اس موقع پر جناب پروفیسر انیس چشتی صاحب نے بھی طلبہ سے خطاب فرمایا، اور ان کو موجودہ تقاضوں اور خطرات سے واقف ہو کر اسلام کی دعوت کا کام کرنے کی تلقین کی، خاص طور سے علم جدید اور میڈیا کی طرف سے آنے والے خطرات سے آگاہ کیا، نیز انہوں نے مقصد پیش نظر رکھتے ہوئے بحث وتحقیق اور محنت پر زور دیا، اور ایک ایک لمحہ کی قدر کرنے کی تلقین کی۔

صحافیوں سے گفتگو:

دار العلوم سبیل الرشاد میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے صحافیوں سے ملاقات کے دوران کہا کہ ہندوستان کا دستور ہر شہری کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کا حق دیتا ہے، اسی بنیاد پر ہم اپنی شریعت میں کسی ترمیم ومداخلت کو قبول نہیں کرتے، اور ہماری شریعت اللہ تعالی کی طرف سے مقرر ہے لہذا اس میں ہم خود بھی کوئی ترمیم نہیں کر سکتے، اس کو جیسا ہمارے نبی ﷺ نے بتایا ہے اسی کے مطابق عمل کرنا ہے، حضرت مولانا نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ سپریم کورٹ کے شادی کے رجسٹریشن کے حکم کے الفاظ اور مطلب کو پوری طرح دیکھنے کے بعد ہی اس کے بارے میں صحیح رائے قائم ہو سکے گی، جس کو ہمارے قانون داں حضرات دیکھیں گے، اگر اس سے شریعت پر کوئی اثر پڑتا ہے تو بورڈ اس کے متعلق جو ضابطہ کی کارروائی ہوگی کرے گا، لیکن اگر معاملہ نکاح کے صرف اندراج کا ہے تو اس سے فرق نہیں پڑتا، اصلاح معاشرہ کی ضرورت اور اہمیت بتاتے ہوئے حضرت مولانا مدظلہ العالی نے کہا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس کے لئے ایک خصوصی کمیٹی قائم کی ہے، اور اس کے ذریعہ مسلسل حالات کا جائزہ لیا جا رہا ہے، اور اصلاح اور توجہ دہانی کے لئے ضروری کوششیں کی جا رہی ہیں، اور اگلے عاملہ کے جلسہ میں اس پر مزید غور ہوگا۔

بابری مسجد کی شہادت کے مقدمہ میں غیر ضروری تاخیر پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مولانا نے کہا کہ اس کیس میں گواہیاں دی جا چکی ہیں اور کارروائی بھی غالبا مکمل ہو چکی ہے لیکن معلوم نہیں کیوں معاملہ کو طول دیا جا رہا ہے۔

قطب ویلور پر ایک روزہ ادبی سیمینار میں شرکت:

۱۸ رنومبر کو دار العلوم سبیل الرشاد کے ایوان شاہ علامہ ابوالسعود میں عالمی رابطہ ادب اسلامی شاخ کرناٹک کی جانب سے منعقدہ ایک روزہ ادبی سیمینار بعنوان ''حضرت قطب ویلور شاہ عبد اللطیف: حیات وخدمات'' میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے شرکت کی، حضرت مولانا مدظلہ العالی نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ زندہ قوموں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاندار ماضی کا بار بار جائزہ لیتی ہیں، اگر ماضی میں ہمارے اسلاف خراب تھے تو حال کو اس سے بچانے کے لئے لائحہ عمل تیار کرتی ہیں، اور اگر ماضی شاندار تھا تو اس سے سبق حاصل کرتی ہیں، زندہ قومیں ہمیشہ اپنے شاندار اسلاف سے فیض پانے کی جستجو کرتی ہیں، اور ان کو سامنے رکھکر حالات حاضرہ سے مقابلہ کی تیاری کرتی ہیں، اور مستقبل کو سامنے رکھ کر پالیسی اختیار کرتی ہیں، آج ہم مسلمانوں کو ان تینوں باتوں پر عمل کرنا ہوگا۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی نے اپنی چشم کشا تقریر میں کہا کہ مسلم قوم دوسری قوموں کی طرح نہیں ہے، کہ کھا پی کر اپنی زندگی گزار دے، اس کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اعلی قدروں پر چلتی رہے اور دوسروں کی زندگی سنوارنے اور انہیں بھی راہ راست پر لانے کی ذمہ داری سنبھالتی رہے، تاریخ گواہ ہے کہ اس دنیا میں زیادہ تر قوموں کی تاریخ تین یا چار سو سال کے اندر ختم ہوگئی، لیکن اسلام آج بھی زندہ ہے، اس کو اگر ایک ملک میں یا کسی علاقہ میں اس کو زوال ہوا تو دوسرے ملک وعلاقہ میں وہ عروج اور ترقی حاصل کرتا رہا۔

ہندوستان میں اصلاح وتجدید اور دعوت وارشاد کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ ماضی میں کئی شخصیات گزری ہیں جنہوں نے ملت کے صحیح راہ سے بھٹکنے پر اس کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا، جنوبی ہند کی ایسی ہی عظیم اور قابل احترام شخصیتوں میں حضرت قطب ویلور شاہ عبد اللطیف کا بھی شمار ہوتا ہے، جنہوں نے جنوبی ہند میں دعوت اسلامی کے میدان میں غیر معمولی خدمت انجام دی، برطانوی سامراج کے عہد میں اسلام کی موثر انداز میں نمائندگی کی، آپ نے اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں جو سرمایہ چھوڑا ہے وہ ادب اسلامی کا اعلی نمونہ ہے۔

اخیر میں حضرت مولانا مدظلہ العالی نے سیمینار کے منتظمین کو مبارکباد پیش کی، کہ انہوں نے جنوبی ہند کی ممتاز شخصیت حضرت قطب ویلور کی حیات وخدمات پر تحقیقی کام کیا، جنہوں نے اپنی خدمات سے اس ملک پر غیر معمولی اثر ڈالا۔

اس ایک روزہ ادبی سیمینار کی نظامت کے فرائض رابطہ ادب اسلامی شاخ کرناٹک کے صدر جناب مفتی اشرف علی باقوی صاحب نے انجام دئے، اور مہمان کرام کا تعارف کرایا، اور سیمینار کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی، جناب شاہ قادری سید مصطفی رفاعی جیلانی ندوی جنرل سکریٹری عالمی رابطہ ادب اسلامی شاخ کرناٹک نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، اور کرناٹک شاخ کی سرگرمیوں کی سالانہ رپورٹ پیش کی۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی سکریٹری عالمی رابطہ ادب اسلامی ہند نے اس ادبی سیمینار میں ''قطب ویلور شاہ عبد اللطیف نقوی ویلوری اور حضرت امام احمد بن عرفان شہید'' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا، مولانا محترم نے منتظمین سیمینار کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا: انہوں نے جنوبی ہند کی ایک عظیم شخصیت پر سیمینار منعقد کر کے اس شخصیت کے عظیم کارناموں سے شمالی ہند کے اہل علم ودعوت کو واقف کرانے کا نظم کیا، اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شمالی ہند کے عوام ہی نہیں خواص بھی جنوبی ہند کی علمی اور دینی شخصیتوں سے جن کی خدمات شمالی ہند کی علمی ودینی شخصیتوں سے کم نہیں ہیں، پوری طرح واقف نہیں، اس سلسلہ میں دونوں علاقوں کے درمیان ایسا ہی خلا پایا جاتا ہے، جس طرح عربی اسلامی تاریخ میں شمالی عرب اور مغربی عرب کے درمیان پایا جاتا ہے۔ لہذا شمال وجنوب کی یہ تفریق اب ختم ہونی چاہیئے۔

مولانا محترم نے حضرت امام احمد بن عرفان شہید اور قطب ویلور کی مشترک خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مولانا عبد اللطیف صاحب کا زمانہ حضرت سید احمد شہید کا زمانہ ہے، حضرت سید احمد شہید کی ولادت ۱۲۰۱ھ اور وفات ۱۲۴۶ھ اور قطب ویلور کی ولادت ۱۲۰۷ھ میں ہوئی اور انتقال ۱۲۸۹ھ میں ہوا، اس اعتبار سے حضرت قطب ویلور کی تعلیم وتربیت اور دعوت و اصلاح کا عہد اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا عہد مشترک ہے، زمانہ کے اشتراک سے مکانی بعد کے باوجود دونوں شخصیتوں میں بعض مشترک خصوصیات کا پایا جانا طبعی بات ہے، ان میں سے سلطان ٹیپو شہید کے خاندان سے تعلق، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی کے خانوادہ سے تعلق اور استفادہ، مسلمانوں کی اصلاح ودعوت اسلام کی فکر اور مغربی سامراج سے مقابلہ کا جذبہ اور کوشش نمایاں ہے۔

سید احمد شہید سے مماثلت کی ایک مثال رجوع عام وخاص ہے، حضرت سید صاحب کے تذکرہ میں آتا ہے کہ وہ جب کلکتہ تشریف لے گئے تو وہاں شراب کی دکانیں بند ہوگئیں، اور کثرت سے لوگ تائب ہوئے، ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے۔ قطب ویلور کے تذکرہ میں بھی توبہ کرنے والوں کی تعداد ۷ لاکھ بتائی گئی ہے۔

حضرت قطب ویلور کی ایک اور اہم خصوصیت جو حضرت امام احمد بن عرفان شہید کی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے، وہ اتباع سنت کا اہتمام ہے۔

مولانا نے حضرت قطب ویلور کی تصانیف ورسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اس سلسلہ میں اگر کوئی ادارہ قائم ہو اور قطب ویلور کی علمی اور دینی خدمات کو تحقیق اور شرح کے ساتھ شائع کرے تو یہ بڑی علمی اور دینی خدمت ہوگی، شمالی ہند کے علمی اور دینی حلقوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قطب ویلور کی شخصیت اور ان کے کارناموں سے اسی طرح دلچسپی لیں جس طرح شمالی ہند کے علماء اور مصلحین سے وہ دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ سیمینار امید ہے کہ اس سلسلہ میں توجہ مبذول کرانے میں اہم رول ادا کرے گا۔

سیمینار کے دیگر اہم شرکاء میں جناب ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی میسور، جناب ڈاکٹر ظہیر احمد راہی فدائی، جناب پروفیسر انیس چشتی صاحب پونہ، جناب مولانا ریاض الرحمن رشادی خطیب وامام سٹی جامع مسجد بنگلور، جناب مولانا ابو البیان حماد عمری، جناب سلیمان خان جنرل سیکریٹری ملی کونسل کرناٹک، پروفیسر افضال الدین اقبال حیدرآباد، جناب منیر احمد جامی بنگلوری، بزرگ صحافی علی حفیظ، جناب ڈاکٹر عبد الاحد ہیں، ان کے علاوہ شہر کے اعیان وعمائدین، علماء، ادبی شخصیات اور اداروں کے ذمہ داران نے بڑی تعداد میں شرکت کی، سیمینار کا اختتام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی دعا پر ہوا۔

اصلاح معاشرہ کے جلسہ میں شرکت:

۱۸ رنومبر بعد نماز مغرب فریزر ٹاؤن کی مسجد سرمرزا اسماعیل سیٹھ میں اصلاح معاشرہ کے عنوان سے منعقد ایک جلسہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے شرکت فرمائی، حضرت مولانا نے اصلاح معاشرہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ امت مسلمہ اپنے دل میں خوف خدا پیدا کر کے اپنے خیالات کو بدلے، اور مسلمانوں کے اندر صحیح ملی شعور واحساس پیدا کرنے کے لیے جو ضروری ہو اس کی کوشش کرے، اصلاح معاشرہ وقت اور حالات کا سب سے بڑا تقاضہ ہے، تاہم سیرت واخلاق کی اصلاح کے بغیر یہ کام ممکن نہیں، حضرت

مولانا نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اخلاق وکردار اور سیرت کی تعمیر پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ کسی زمانہ میں اخلاق وکردار مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا، لیکن آج ہم اخلاقی سطح سے گرتے جارہے ہیں، جو ہم سب کے لئے فکر وتشویش کی بات ہے، صرف اسلامی نام رکھ لینے سے مسلمان نہیں ہوتا، بلکہ مسلمان کا ہر میدان میں اخلاق وکردار کا عملی مظاہرہ ضروری ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی نے اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی میں اخلاق وکردار کے رول پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اسلام نے بزور شمشیر سرفرازی وبلندی حاصل نہیں کی، بلکہ اس کی بنیاد حضور ﷺ کا خلوص وعدوں کا پورا کرنا، غلام اور دوست کے ساتھ یکساں سلوک ومحبت، آپ کی جرأت، اور اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف ہیں، حضور اکرم محمد ﷺ کی حیات طیبہ وہ کامل نمونہ ہے جو انسانوں کو سکون وسعادت، رحم وراحت ارفع واعلیٰ نصب العین کی نشان دہی کرتا ہے، اور انہیں اپنی منزلوں کا شعور بخشتا ہے، حضرت مولانا نے اجتماعیت اور اتحاد واتفاق پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد اجتماعیت ہے، اور جو کام اجتماعیت سے ہوا کرتا ہے، اس میں خدا کی مدد شامل حال ہوا کرتی ہے، اور کامیابی یقینی ہے، حضرت مولانا مدظلہ العالی نے شریعت کے مطابق زندگی گزارنے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کا شریعت کے مطابق زندگی نہ گزارنے کا یہ نتیجہ ہے کہ آج سارے عالم میں اسلام دشمن طاقتیں اسلام کو بدنام کرنے میں لگی ہوئی ہیں، نیز حضرت مولانا نے اجتماعی اور انفرادی زندگی کو بہتر بنانے اور غیر مسلموں کے سامنے اسلام کا صحیح نقشہ پیش کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ہماری زندگی میں اچھائیاں ہوں تو یقیناً اس سے دوسروں پر بہتر اثر پڑے گا اور اسلام کی بہترین عکاسی ہوگی، اس کے برخلاف اگر ہماری برائیاں عام ہونے لگیں تو پھر اس سے اسلام کی بدنامی ہوگی، آج ہمارا حال یہ ہیکہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں جبکہ اعمال ہمارے غیروں جیسے ہیں جس سے اسلام سے زیادہ خود ہمارا نقصان ہورہا ہے، آج ہم اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دوسروں کی پرواہ تک نہیں کرتے خواہ دوسروں کا نقصان ہو یا فائدہ، صرف خود اپنے فائدہ کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

اس جلسہ سے حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، پروفیسر انیس چشتی اور امیر شریعت حضرت مولانا محمد اشرف علی باقوی نے بھی خطاب کیا جنہوں نے اصلاح نفس اور طہارت قلب کی ضرورت پر زور دیا۔ جلسہ کی نظامت جناب مولانا شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی ندوی نے کی اور ہدیہ تشکر پیش کیا۔

خطبات جامع کا رسم جرا:

۱۹ر نومبر کو بنگلور سٹی جامع مسجد کے خطیب وامام جناب مولانا ریاض الرحمٰن رشادی کے ''خطبات جامع'' جلد دوم کے اجراء تقریب میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے شرکت فرمائی، حضرت مولانا مدظلہ العالی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ خطیب حضرات جمعہ کے خطبہ میں ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرماتے ہوئے احکامات خداوندی کی طرف راغب کریں جمعہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت بنایا ہے، اس کا صحیح استعمال ہونا چاہیئے، ورنہ آسان نہ تھا کہ اتنے بڑے مجمع کو ہر ہفتہ کسی عنوان کے تحت کے جوڑا جا کریں، ئے، لہذا خطیب حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خطبات میں جمعہ کو بامعنی بنانے اور سامعین کی تڑپ اور امت کی ضرورت کے مطابق حالات حاضرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے خطبات پیش کریں، اور بات اس ڈھنگ سے کہی جائے کہ جو دل میں اتر جائے کیونکہ بہت سی مفید اور کارآمد باتیں ڈھنگ نہ ہونے کی وجہ سے بے فائدہ اور ضائع ہوجاتی ہیں، نیز مولانا نے فرمایا کہ ہر مسلمان امت کی اصلاح کے لئے اپنے دل میں سچی تڑپ اور ہمدردی پیدا کرے، مولانا ریاض الرحمٰن رشادی صاحب کی کتاب ''خطبات جامع'' کو سراہتے ہوئے حضرت مولانا مدظلہ العالی نے کہا کہ مولانا نے اپنے خطبات میں مختلف موضوعات لئے ہیں، اور موقع اور سامعین کی رعایت رکھی ہے، یہ بڑی خوبی کی بات ہے، اس سے یہ مجموعہ خطب دوسروں کے لئے بھی مفید ہوگیا ہے جو موقع پر موجود نہیں رہے، اس میں مولانا کی علمیت ومہارت دونوں کا اچھا اظہار ہوا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے جمعہ کے خطبات کی اہمیت پر روشنی ڈالی، اور مسلمانوں کے ذہن کی تشکیل اور حالات کی روشنی میں رہنمائی میں اس کی افادیت اور خطیب کی ذمہ داری بیان کی، مولانا نے فرمایا کہ ہمارے سامنے حضرات انبیاء علیہم السلام اور خلفاء راشدین کے خطبے نمونہ ہیں، وہی خطبات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، مولانا نے کہا کہ مولانا ریاض الرحمٰن رشادی کے خطبات کی خصوصیت جامعیت ہے، وہ وقت اور موضوع کے مطابق اور عام فہم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مولانا کی زندگی میں جامعیت پائی جاتی ہے، وہ خطیب بھی ہیں اور کاتب، داعی اور معلم، اور خدمت خلق میں بھی ان کا نمایاں حصہ ہے۔

اس تقریب میں پروفیسر انیس چشتی صاحب اور مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی نے بھی تقریر کی اور خطبات اور صاحب خطبات پر روشنی ڈالی۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی اپنے قافلہ کے ساتھ ۲۰ر نومبر کو ممبئی کے لئے روانہ ہوئے، جہاں مختلف پروگراموں میں شرکت کی، ملی، سماجی، تعلیمی، دینی اور دعوتی میدان میں کام کرنے والوں سے ملاقاتیں رہیں، ممبئی میں تین دن قیام کے بعد دہلی روانہ ہوگئے، جہاں ۲۵ر نومبر کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ایک اہم میٹنگ میں شرکت کی، اس کے علاوہ دیگر پروگراموں میں شرکت کر کے ۲۶ر نومبر کو حضرت مولانا اپنے قافلہ کے ساتھ اپنے مستقر لکھنؤ واپس آگئے۔

☆☆☆☆☆

نندی گرام: اشتراکی جارحیت کا ایک نمونہ

انیس احمد ندوی

کلکتہ کا ذکر آتے ہی غالب کا یہ خوبصورت شعر یاد آتا ہے۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہمنشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!

گرچہ غالب نے دوسرے سیاق میں یہ شعر کہا ہے لیکن آج کل کلکتہ کے حالات کی کسی قدر ترجمانی کر رہا ہے جن پر جتنا بھی ہائے ہائے اور افسوس کیا جائے کم ہے، کلکتہ جو کہ City of Joy (خوشیوں کا شہر) کہلاتا ہے جو ادیبوں، دانشوروں، فنکاروں اور سیاسی مفکرین کا مرکز رہا ہے، جو ابوالکلام آزادؒ جیسی عبقری شخصیت کا مسکن رہا ہے جہاں غنی خان جیسے سیاسی رہنما پیدا ہوئے، جس نے ٹیگور اور سروجنی نائیڈو کو جنم دیا، جہاں سے انقلابی تحریکیں اٹھیں خلاصہ یہ کہ کلکتہ کو ملکی سیاست میں ایک نمایاں مقام حاصل رہا ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہی کلکتہ آج فتنہ وفساد، عدم رواداری اور تشدد وآپسی اختلافات کا مرکز بن گیا ہے، وہی پرسکون وپرامن کلکتہ ایک فوجی چھاؤنی میں تبدیل ہو چکا ہے۔

بنگال طبیعت میں یہ تضاد بہت قدیم معلوم ہوتا ہے آپ دیکھیں بنگال کی سرزمین میں ہندوستان کی خاطر دوترانے لکھے گئے اپنے فلسفہ کے مطابق دونوں امن وآشتی، محبت ویگانگت، اتحاد واتفاق پیدا کرنے کے لیے لکھے گئے مگر ایک ''جن گن من ادھنا یک'' محبت وآشتی لانے میں کامیاب رہا جب کہ دوسرا ''بندے ماترم'' مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول ہونے کی وجہ سے اختلاف وانتشار کا سبب بنا، بنگال کی ریاستی حکومت ایک طرف اپنے کو لوگوں کے لیے مخلص وفکرمند باور کراتی ہے تو دوسری طرف گستاخ رسولؐ تسلیمہ نسرین کو پناہ دے کر کروڑوں مسلمانوں کو دلی تکلیف پہونچاتی ہے، یہی وہ کلکتہ ہے جہاں مسلمانوں کی سادہ لوحی کا فائدہ اٹھا کر انگریز ملک میں تاجر کی شکل میں داخل ہوئے اور آہستہ آہستہ پورے ملک پر قابض ہوگئے۔

سال رواں جنوری میں مغربی بنگال کی ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کی پالیسی کے تحت Special Economic Zone (یعنی تجارتی اور اقتصادی امور کے لیے مخصوص خطہ) بنانے کے لیے مدناپور کے نندی گرام علاقے کو منتخب کیا اس خطہ کا مقصد ظاہر ہے آزاد تجارت وصنعت کو فروغ دینا تھا جہاں دنیا بھر کے صنعت کار اور تجار آزادی کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی تجارت کو فروغ دے سکیں۔

واضح رہے کہ مرکزی حکومت کی اس پالیسی کے تحت ملک کے دوسرے حصوں میں بھی S.E.Z. کا قیام عمل میں آیا ہے یقیناً اس سے غیر ملکی سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی مقصود ہے بدھادیپ بھٹاچاریہ ۹۰ر کروڑ غیر ملکی سرمایہ کاری کی لالچ میں آکر غیر ذمہ دارانہ بیانات دے رہے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اہانت آمیز اور غیر جمہوری سلوک کر رہے ہیں۔

گذشتہ چند مہینوں سے نندی گرام میں پیش آنے والے واقعات نے ہر ذی ہوش کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے یہ بھی واضح ہے کہ بدھا دیپ اور ان کی پارٹی CPM بنگال کی سیاست میں نہایت غلط رول ادا کر رہی ہے، چیف منسٹر کا رویہ اور ردعمل بالکل مشرف جیسا ہے، انہوں نے اس طرح نندی گرامی کے واقعہ کو الجھایا ہے اور اس طرح سے بے گناہ لوگوں کو CPM کے ممبران نے زدوکوب کیا ہے اسی طرح توڑ پھوڑ، لوٹ مار، قتل وغارت گری کی ہے جیسے کوئی قانون ہی نہ ہو اور لاقانونیت کا راج ہو، جن غریبوں کی زمینیں SEZ میں آگئی ہیں وہ بازیابی کے لیے کوشش کر رہے تھے انہیں ایسا کرنے اور حکومت کے اس فیصلہ پر احتجاج کرنے کا جمہوری حق حاصل تھا، انہیں سمجھایا جاسکتا تھا، بہتر طریقہ پر اس مسئلہ کو سمجھا بجھا کر، بہتر معاوضہ اور بدل پیش کر کے انہیں اعتماد میں لیا جاسکتا تھا لیکن جس طرح بنگال کی CPM حکومت نے جمہوری طریقہ پر اپنے غم وغصہ کا اظہار کرنے والوں پر غیر جمہوری طریقے سے لاٹھیاں برسائیں، گولیاں چلائیں اور لوٹ مار کیا یہاں تک کہ عصمت دری جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا اس پر جتنی مذمت کی جائے اور جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، یقیناً یہ درست ہے کہ ممتا بنرجی جو کہ بنگال کی Fire brand لیڈر کہی جاسکتی ہیں ان کے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے آگے بڑھنے سے مسائل اور پیچیدہ ہوگئے لیکن ممتا بنرجی اور ان کے کارکنان کی ضد بے گناہ عوام سے نکالنا کسی طرح درست نہیں، اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو سرکار، اس کی مشینریاں دوڑا دوڑا کر جس بے رحمی کے ساتھ مار رہی تھیں جس طرح ان کے املاک کا نقصان کیا جارہا تھا اس منظر نامہ کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم کسی جمہوری ملک میں نہیں بلکہ کسی غیر جمہوری نظام حکومت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔

مارچ ہی سے SEZ کو لے کر بیان بازیوں اور جوابی بیان بازیوں نیز احتجاجات کا بازار گرم ہے، سیاسی پارٹیاں اپنے اغراض ومقاصد کے لیے مواقع

مخالف بیانات دے رہی ہیں، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے اس معاملہ کو اس قدر رہائی لائٹ کیا کہ بنگال کے باہر لوگ نندی گرام کے عوام کے دکھ درد میں شریک ہوکر ان پر ہونے والے تشدد کے خلاف لکھنے اور بولنے لگے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں حقیقی و مخلص لیڈران کا بہت فقدان پایا جاتا ہے، لیڈران ملک وقوم کی قیادت کے علاوہ سب کچھ کرتے ہیں، اخلاص کے ساتھ ملکی وقومی مفاد کو مدنظر رکھنے کے بجائے سیاست میں اپنی ساکھ مضبوط کرنا، پارٹی کو قوت وتوانائی بخشنا، اور اپنے ووٹ بینک کو مستحکم بنانا ان کا اولین مقصد ہوتا ہے، ملک کا کوئی سانحہ ہو یا المناک حادثہ، فرقہ وارانہ فساد ہو یا کوئی طبعی المیہ وہ اسے اپنی سیاست کو چمکانے کا ایک سنہرا موقع سمجھ کر اس کو Politicise (سیاست کا رنگ) کرتے ہیں، یہاں تک کہ انسانی، اخلاقی، سماجی اور مذہبی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر یہ کام انجام دیتے ہیں حد تو یہ ہے کہ اگر ان کے مطلوبہ مقاصد کے حصول میں سیکڑوں انسانوں کی جانیں چلی جائیں تب بھی انہیں ذرا تامل نہیں ہوتا نندی گرام کا واقعہ کھل کر اس حقیقت کا انکشاف کر رہا ہے۔

مغربی بنگال میں CPM کی حکومت ہے (مارکسی کمیونسٹ پارٹی) واضح رہے کہ کمیونسٹ پارٹی اشتراکیت کی علمبردار ہے اشتراکیت کا مقصد لوگوں کو زیادہ سے زیادہ خوشحال بنانا ہے ایک مفکر نے اشتراکیت کی یہ تعریف کی ہے کہ اشتراکیت ایک عوامی تحریک ہے جس کا مقصد سماج کی اس طرح معاشی تنظیم کرنا ہے جس سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ انصاف اور آزادی حاصل ہوسکے لیکن مغربی بنگال کے حالات سے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ شاید کمیونسٹ پارٹی نے اپنا منشور کچھ بدل دیا ہے یا اشتراکیت کی تعریف "عوام کی معاشی تنظیم وخیر خواہی" کو بدل کر عوام کی ایسی معاشی بدحالی اور بدخواہی کر دیا ہے جس سے لوگ زیادہ سے زیادہ انصاف اور آزادی سے محروم ہوجائیں دیگر Left پارٹیاں جو کہ CPM کے ساتھ ریاستی حکومت میں شریک ہیں وہ بھی اسی اشتراکی نظریہ پر یقین رکھتی ہیں۔

بدھادیپ بھٹا چاریہ جی کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اشتراکی نظام بہت پہلے روس میں Collapse (ٹوٹ کر بکھر گیا) کر گیا، چونکہ اس نظریہ میں انسانی سماج کے لیے کافی تضاد پایا جاتا ہے اس لیے وہ نظام غیر فطری ہے اور انسانوں کے سبھی طبقوں کے لیے غیر سود مند بھی، کارل مارکس جو موجودہ اشتراکیت کا بانی تھا اس نے فریڈرک اینگلس کے ساتھ مل کر Communist Manifesto (اشتراکی منشور) لکھا اس کے بعد اپنی مشہور کتاب Capital لکھی جس میں اشتراکیت کے بنیادی اصول بیان کئے اور سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کو واضح کیا۔

Economic Interpretation of History (تاریخ کا معاشی پہلو) میں کارل مارکس کہتا ہے کہ اس عالم کون ومکاں میں جو بھی بڑی تبدیلیاں یا تاریخی واقعات ہوتے ہیں وہ سب معاشی اسباب اور حالات سے وجود میں آتے ہیں، کسی ملک میں انقلاب اس لیے ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ وہاں کے حالات سے اس قدر بیزار اور غیر مطمئن ہوجاتے ہیں کہ وہ حکومت کا تختہ پلٹ کر ہی دم لیتے ہیں، اس نظریہ کے مطابق دنیا کی ساری تبدیلیاں اور انقلاب طبقاتی جنگ کا نتیجہ ہے، شروع زمانے ہی سے سرمایہ دار اور غریب ونادار برسر پیکار رہے ہیں Capitalist (سرمایہ دار) اور Proletariat (محنت کش ومزدور طبقہ) کے درمیان یہ جنگ چل رہی ہے یہی جنگ اب کلکتہ پہونچی ہے۔ خود کارل مارکس کے بموجب یقیناً شکست حکومت کی (یعنی بدھادیپ بھٹا چاریہ جی) کی ہونی ہے کیونکہ خود ان کے بقول لوگ جب بہت زیادہ پریشان ہوجاتے ہیں تو وہ حکومت کا تختہ پلٹ دیتے ہیں، یقیناً یہ طبقاتی جنگ CPM کی حکومت کے خاتمہ کا اعلان کر رہی ہے۔

یہ دور گلوبلائزیشن کا دور ہے پوری دنیا اس وقت تجارتی منڈی میں تبدیل ہوچکی ہے آزاد تجارت ومعیشت کا دور دورہ ہے، ہر ملک متعدد ملکوں میں صنعت وتجارت کرنے والی کمپنیوں کے سرمایہ کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے تاکہ ملک کی تجارت ومعیشت پر اس کے مفید ومثبت اثرات مرتب ہوں، ملک کی Economy طاقتور ہو، GDP میں اضافہ ہو اور ملک ترقی کی راہوں پر گامزن رہے، معاشی اور اقتصادی ترقی کے لیے اس طرح کے زون (خطوں) کا قیام یقیناً مفید ہوگا لیکن اس کے لیے باہر کی سرمایہ کاری کے بجائے دیسی کمپنیوں کو سرمایہ کاری کے لیے آمادہ کرنا چاہئے اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کے خطوں کے لیے غیر زرعی اور غیر زرخیز علاقے اکوائر (حاصل) کرنا چاہئے اور جو علاقہ اختیار کیا جائے یا جن لوگوں کی زمینیں اس میں آرہی ہوں انہیں بہتر معاوضہ دینے کے علاوہ ان کے ساتھ مراعات (روزگار وغیرہ میں) کا بھی برتاؤ کیا جائے یا اس علاقہ کے لوگوں کے لیے ان کی زمینوں پر کمپنیوں کے چلنے کی وجہ سے کچھ فیصد Job (روزگار) میں ریزرویشن کر دینا چاہئے تاکہ انہیں اپنا مستقبل تاریک ہونے کے بجائے تابناک نظر آئے اور اپنی زمینوں سے دستبردار ہونا ان کے لیے آسان ہوجائے، معاشی اصلاحات کے لیے ایسی پالیسیوں کو بروئے کار لانا چاہئے جس سے ملک کے ساتھ ساتھ عوام کی بھی خوشحالی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ممکن ہوسکے۔

ترقی ومعاشی اصلاحات کے لیے کوشش کرنا قابل تعریف امر ہے لیکن ترقی کا بھوت اس طرح سر پر سوار کر لینا کہ جانیں چلی جائیں فائدے کے بجائے خسارہ ونقصان ہو، اصلاحات کے بجائے افتراق وانتشار، فرقہ وارانہ نفرت وتشدد کا ماحول بنے اور خوشحالی کے بجائے بدحالی میں اضافہ ہو، قابل مذمت فیصلہ ہوگا یہ حقیقت ہے کہ آج کل حکومت اور لیڈران پر ترقی کا بھوت اس قدر سوار ہے کہ وہ انسانی قدریں، مساوات وانصاف بھی بھول گئے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں طرح طرح کی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں اور معاشرہ کا امن وامان سکون واطمینان غارت ہوگیا ہے اس کا جائزہ لینے کے لیے آپ دیہات اور شہر کی زندگی کے درمیان فرق ملاحظہ کریں، آپ ایک طرف شہروں کی بڑھتی ہوئی چکاچوند Glamour کو دیکھیں اس کی تعلیمی، اقتصادی، معاشرتی اور معاشی اصلاحات پر نگاہ ڈالیں دوسری طرف دیہی زندگی اور وہاں کے بسنے والے لوگوں کی اقتصادی حالات، ان کی تعلیمی اور معاشرتی زندگی کو دیکھیں تو آپ دونوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق پائیں گے، ع

خاک کو آسماں سے کیا نسبت

کی مثال آپ کے سامنے بالکل واضح ہوجائے گی جیسے کہ دیہی عوام کو مکمل انسان نہ سمجھا جارہا ہو، بجلی میں انکے لیے کمی، روزگار کے نہایت کم مواقع، صحت عامہ کے سیکٹر میں ان کے لیے بجٹ کی کمی، بعض علاقوں میں ایک ایک PHC (پرائمری ہیلتھ سنٹر) کو دس دس کلومیٹر کا علاقہ دیکھنا پڑتا ہے۔

Immunization (ٹیکہ کاری) اور دیگر صحت کے پروگراموں کے لیے ان کے پاس افراد کی کمی، ترقی کے نام پر برائے نام توجہ، دیہی علاقوں میں تعلیم کے نام پر حکومت کی طرف سے جو کچھ کوشش کی جارہی ہے اس کا معیار اس قدر خراب ہے کہ شہر کے پرائیویٹ اسکول یا دیہی علاقہ کے اچھے اسکولوں سے ان کا کوئی موازنہ نہیں کیا جاسکتا ہے، Rural اور Urban (دیہی اور شہری) کی اس تفریق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے دو چہرے ہیں یا ہندوستان دو ہیں ایک (شہری) جہاں زندگی ہی زندگی ہے ہر چیز کی فراوانی، حسن انتظام، اعلیٰ معیار، اعلیٰ صلاحیات وذرائع اور معاشی وسائل کی فراوانی ہے، دوسرا (دیہی) جو کہ ہر چیز کی قلت کا شکار ہے، جہاں اندھیروں کا راج ہے، اعلیٰ صلاحیات نہیں، سماجی اور معاشی ترقیات نہیں، تعلیمی پسماندگی ہے، صحت کے میدان میں Quacks عطائیوں کا راج ہے وغیرہ وغیرہ۔

ضرورت ہے کہ دونوں چہروں (دیہی اور شہری) کو ایک جیسا بنادیا جائے اور پھر دونوں چہروں کو ترقیات، اعلیٰ صلاحیات کے غازہ وگلونہ سے اس طرح آراستہ کر دیا جائے کہ دونوں میں زندگی اور تازگی کے آثار نمودار ہوں اور ملک کا ہر شہری ملک کی ہر پیداوار کا برابر کا حقدار اور برابر کا ساجھی دار ہو اور اس طرح عدل وانصاف اور مساوات وہم آہنگی کا وہ ماحول ومعیار قائم ہوگا جس میں ہر شہری اطمینان وسکون کے ساتھ زندگی گزار سکے گا۔

☆☆☆☆☆

تعمیر حیات سے متعلق اہم تفصیلات

۱۔ فی شمارہ -/Rs. 10، ۲۔ سالانہ زرتعاون -/Rs. 200، ۳۔ رعایتی زرتعاون برائے مدارس، لائبریری -/Rs. 150

۴۔ غیر ملکی فضائی ڈاک سے -/Rs. 1700، ۵۔ پاکستان کے لیے -/Rs. 800، ۶۔ بنگلہ دیش کے لیے -/Rs. 800

۷۔ نیپال کے لیے -/Rs. 800، ۸۔ غیر ملکی بحری ڈاک سے -/Rs. 1000،

نرخ اشتہار

۹۔ نرخ اشتہار رنگین صفحہ (پشت پر) -/Rs. 60 فی سینٹی میٹر فی کالم

۱۰۔ نرخ اشتہار اندرونی صفحہ پر -/Rs.50 فی سینٹی میٹر فی کالم، ۱۱۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔ کمیشن ایک تہائی اشاعت 40%۔

شرائط ایجنسی

۱۲ پانچ پرچوں سے کم کی ایجنسی جاری نہ ہوگی۔ ۱۳۔ فی کاپی -/Rs. 20 بطور زرضمانت پیشگی ادا کرنا ہوگا۔

کمیشن

۵ تا ۲۰ کاپی 25 فیصد، ۲۱ تا ۵۰ کاپی 30 فیصد، ۵۱ تا ۱۰۰ کاپی 35 فیصد، ۱۰۰ سے زائد 40 فیصد

نعمت خداوندی

آب زمزم-فضائل،فوائداوراحکام

محمد جاوید اختر ندوی

آب زمزم رب کریم کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے،اس پانی کی احادیث مبارکہ میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے،خالق حکیم وعلیم نے اس مبارک پانی کو بڑی خصوصیات وبرکات سے نوازا ہے،یہ ایسا پانی ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوک کی برکت شامل ہونے سے اس کی فضیلت واہمیت دوچند ہوگئی،رسول خدا نے اس سے وضو کرنا،اس کو خوب پینا اور زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے،آب زمزم کی اسی قدر ومنزلت کی وجہ سے رسول دوجہاں جب کسی کو ہدیہ دیتے تو آب زمزم کی شکل میں دیتے،اس لیے آنحضورؐ نے اس کو تحفہ میں دینا،دور دراز مقامات لے جانا مسنون قرار دیا ہے۔

یہ وہ پانی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوا،لوگ جی بھر کر پی رہے ہیں دنیا کے چپہ چپہ سے ہر سال حجاج ومعتمرین کے علاوہ نہ جانے لاکھوں افراد کتنی بڑی مقدار میں لے جاتے ہیں مگر آج تک اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی،آئندہ سطور میں قارئین آب زمزم کی فضیلت وبرکت، اس کے پیتے وقت علماء کی دعائیں،اپنی مرادوں اور آرزوؤں کی منت،بیماری سے شفایابی اور چند فقہی احکام کی کچھ جھلکیاں نظر نواز کریں گے۔

☆روئے زمین پر آب زمزم کے ظہور کی عمر:

حضرت اسماعیلؑ کے زمانہ سے اب تک آب زمزم کے ظہور کو اس روئے زمین پر تقریباً پانچ ہزار سال گزر چکے ہیں،ابن سعد نے طبقات (۵۳/۱) میں تفصیل سے اس کو بیان کیا ہے،یہ تو اس ارض گیتی پر اس کے ظہور کی مدت ہے،زمین کے اندر حضرت اسماعیلؑ کے لیے ظاہر ہونے سے قبل کب سے وہ موجود ہے اس کا صحیح علم عالم الغیب ہی کو ہے،آب زمزم جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے، پھر جب خدا کی طرف سے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے لیے ظہور کا حکم ہوا تو حضرت جبرئیل نے زمین پر کنویں کی جگہ اپنا بازو مارا اور روئے زمین پر آب زمزم رواں ہوگیا۔

آب زمزم کے نام:

زمزم کے مختلف نام ہیں جن سے اس کی اہمیت وفضیلت اور عظمت ورفعت کا اندازہ ہوتا ہے، تاج العروس میں علامہ زبیدی نے بارہ نام شمار کئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:برکة ومبارکة، بشری، مفیدہ عبدالمطلب، زمزم، سالمة، سقایة الحاج، سیلمة، شراب الابرار، طعام الابرار، عافیة، میمونہ، نافعہ، وغیرہ دوسری لغات القاموس المحیط،مختار الصحاح، اور النہایہ میں بھی اس کے مختلف نام لئے گئے ہیں اور ان کے نام تشریح کی گئی ہے۔

آب زمزم کے فضائل، خصوصیات وبرکات

زمزم کے بڑے فوائد،فضائل اور برکتیں ہیں،ذیل میں چند فضائل وبرکات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

۱۔آب زمزم جنت کا ایک چشمہ ہے:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک زمجی زمزم میں گر کر مر گیا،انہوں نے ایک شخص کو اس میں اتارا جس نے اس کو نکال لیا،کہا اندر کے سارے پانے کو نکال لو، پھر کنویں میں پانی نکال رہے آدمی سے کہا، ڈول اس چشمہ کی طرف رکھو جو خانۂ کعبہ یا رکن یمانی کی طرف ہے، اس لیے کہ وہ چشمہ جنت کے چشموں میں سے ہے(مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۶۲/۱، فتح القدیر۹۱/۱، النہایۃ ۴۱۰/۱، السعایۃ، ۴۲۳/۱) یہ اگرچہ ایک موقوف اثر ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔

۲۔روئے زمین پر سب سے بہتر پانی:

حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:روئے زمین پر سب سے بہتر پانی آب زمزم ہے،اس کے اندر غذا بھی ہے اور بیماری کی شفا بھی۔(الترغیب والترہیب،۲۰۹/۲، الجامع الصغیر،۴۸۹/۳)۔

۳۔آب زمزم حضرت جبرئیلؑ کے واسطہ سے نکلا:

خدا نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا،ورنہ وہ چاہتا تو پانی کو حکم دیتا اور خود ابلنا شروع ہوجاتا،لیکن جب خدائے پاک وبرتر نے سید الملائکہ حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ وہ اپنا بازو زمین پر ماریں تو اس سے پانی نکلا اس سے اس کی عظمت مزید بلند ہوتی ہے اور اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔(بھجۃ النفوس لابن أبی جمرہ، ۱۸۹/۳)

۴۔زمزم کے پانی سے حضرت رسولؐ کا قلب مبارک کئی بار دھویا گیا

آب زمزم کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس سے حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو غسل دیا گیا ہے،غسل قلب اطہر کے واقعہ کو امام بخاری (کتاب الصلاۃ،باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء،۱/ ۴۵۸)اور امام مسلمؒ (کتاب الایمان ، باب الاسراء برسول اللہ ،۱/۱۴۷) نے تفصیل سے

بیان کیا ہے۔

۵۔آب زمزم کے اندر بہت ساری بیماریوں سے شفا، مقدر ہے:

یہ خدا کی رحمت خاص ہی ہے کہ اس نے زمزم کے اندر ہر بیماری سے شفاء مقدر رکھا ہے،اس باب میں بہت ساری احادیث مروی ہیں،زمزم سے فالج، اندھے پن،زبان کی لکنت، بخار،سر درد جیسی بیماریاں دور ہوتی ہیں،اس کے علاوہ پانی پیتے وقت جو جیسی نیت کرتا ہے خدا اس کو دیر سویر نوازتے ہیں،سنن ابن ماجہ(۱۰۱۸/۳) سنن بیہقی (۱۴۸/۵) اور سنن احمد کی روایت ہے،ماء زمزم لماشرب لہ،جس نیت وارادہ سے پانی پیا جائے شفا ہوتی اور مراد برآتی ہے، اسی حدیث کے اندر زمزم پینے والوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ پیتے وقت دنیا وآخرت میں کامیابی کی اچھی نیت کریں،اس لیے پینے والے کو چاہئے کہ استحضار قلب کیساتھ اس کو پیئے،اور دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کا طالب ہو، نیل الاوطار (۱۷۰/۵) میں لکھا ہے کہ "ما" کے اندر عمومیت ہے،اس میں دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں سما گئیں۔

۶۔چند پینے والوں کی نیتیں:

بہت سارے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین اور ائمہ وعلماء نے زمزم کو پیتے وقت نیت کا استحضار کر کے اپنی مرادیں خدا سے مانگی ہیں اور اکثر نے اپنی آرزو دنیا ہی میں پالی ہے، اور مزید خدا آخرت میں ان کی مرادیں پوری ہوں گی۔

☆حضرت عمرؓ کی نیت:

حضرت عمرؓ نے آب زمزم پیتے وقت یہ دعا فرمائی "اللھم انی أشربہ لظمأ یوم القیامة" یا اللہ میں اس کو پیتا ہوں کہ روز قیامت پھر پیاس نہ رہے(الجوھر المنتظم،ص:۴۲)

☆امام شافعیؒ کی نیت:

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے بارے میں مشہور ہے انہوں نے زمزم کا پانی صحیح نشانہ بازی کی نیت سے پیا،جس کی وجہ سے وہ ہر دس نشانہ میں نو نشانے درست لگاتے تھے(اخبار الاذکیاء،ص:۱۰۵)

امام حاکم کی نیت:

انہوں نے یہ نیت کی تھی کہ میں اچھی تصنیف لکھ لوں،خدا نے ان کی دعا قبول کی اور وہ اپنے زمانہ کے بہترین مصنف ہوئے۔(تذکرۃ الحفاظ للذہبی،۱۰۴۴/۳)

☆ آب زمزم پینا ایمان کامل اور نفاق سے برأت کی علامت ہے،حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ہمارے اور منافقین کے درمیان علامت یہ ہے کہ وہ زمزم کا پانی استعمال نہیں کرتے۔(سنن ابن ماجہ،المناسک، باب الشرب من زمزم،۱۰۱۷/۲)

☆آب زمزم کا ایک خاص مزہ:

اللہ تعالیٰ نے آب زمزم کے اندر ایک خاص مزہ رکھا ہے،وہی اس کا امتیاز وخصوصیت ہے،اور اسی کے ذریعہ وہ پہچان میں آتا ہے،ایک صاحب ایمان اس کا مزہ شیریں اور بڑا مزیدار پاتا ہے،جس قدر اس کو پیتا ہے اسی قدر اس کے دل کے اندر اس کی محبت بڑھتی جاتی ہے،اور ہر وقت اس کا اشتیاق رہتا ہے۔

☆سب سے بہترین تحفہ وانعام آب زمزم:

آب زمزم کے فوائد وفضائل کی وجہ سے وہ ہمیشہ متبرک و قابل قدر رہا ہے،حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول خدا جب کسی کو ہدیہ وتحفہ دینا چاہتے تو آب زمزم پیش کرتے۔(حلیۃ الاولیاء،۳۰۴/۳)

☆زمزم کا پانی کبھی ختم نہیں ہوگا:

خانۂ کعبہ خدا کا مقدس گھر ہے، دنیا کے گوشہ گوشہ سے حج وعمرہ کی ادائیگی کرنے والے اس کا رخ کرتے ہیں،خدا نے اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے زمزم کو مقدس گھر کے پاس ہی جاری کردیا ہے، یہ خدا کا ایک انعام وتحفہ ہے جو کبھی نہ کم ہوگا اور نہ ختم ہوگا، حضرت اسماعیلؑ کے زمانہ سے آج تک اسکا پانی کم ہوا اور نہ ہی ختم ہوا، جب کہ سال بھر بالخصوص رمضان اور موسم حج میں کتنی مقدار میں یہ پانی استعمال ہوتا ہے، دیکھنے والوں کو اندازہ ہوگا کہ پانی کی سطح کنویں کے اندر کبھی تبدیل نہیں ہوتی ہے، ہمیشہ ایک ہی طرح رہتا ہے، جتنا استعمال کیا جائے کمی بیشی اس کے اندر نہیں ہوتی، اس قدر زیادہ بھی نہیں نکلتا کہ زمین پر بہنے لگے،اور نہ کم ہوتا ہے کہ ختم ہوجائے۔

آب زمزم سے متعلق چند فقہی مسائل

۱۔آب زمزم کا پینا مستحب ہے:

یہ استحباب تمام حالتوں میں ہر ایک کے لیے ہے، رسول خدا آب زمزم خود پیتے،تحفہ میں دیتے اور مدینہ منورہ لے جاتے تھے،حضرت عائشہؓ بھی مدینہ زمزم لے جایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ خدا کے رسولؐ ایسا ہی کرتے تھے۔(ترمذی، کتاب الحج،۲۹۵/۳)

ایک بات قابل لحاظ ہے کہ جس طرح آب زمزم پینا مستحب ہے اسی طرح یہ بھی استحباب میں داخل ہے کہ خوب سیر ہوکر پیئے،تاکہ جسم کے ہر حصہ میں اس کا اثر پہونچ جائے،ائمہ اربعہ نے بھی زیادہ پینے کو مستحب کہا ہے۔

☆آب زمزم پینے کے آداب:

زمزم پینے کے کچھ آداب ہیں،اصحاب مناسک اور فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ سات ہیں:

۱۔قبلہ رخ ہوکر پینا
۲۔تین سانس میں پینا
۳۔ہر بار بسم اللہ پڑھنا
۴۔ہر سانس کے بعد الحمد للہ کہنا
۵۔دائیں ہاتھ سے پینا
۶۔خوب سیر ہوکر پینا
۷۔اور آب زمزم پیتے وقت دعا کرنا، کہ یہ اجابت کے اوقات میں سے ہے،اس وقت خدا سے دنیا وآخرت کی بھلائی کا طالب ہونا چاہئے۔

پروپرائٹر: ولی اللہ

ولی اللہ جویلرس

Jutey wali Gali,
Aminabad, Lucknow

Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796

WALIULLAH
JEWELLERS
All Kinds of Gold, Silver
& Diamond Jewellery

Mobile: 9415750289 Shop: 0522-2617956

حرمین ٹریڈرس

محمدیہ پروڈکٹس کے سپر اسٹاکیسٹ
انجیل ویواے ای۔کلونجی تیل اور کلونجی پروڈکٹس کے اسپیشلسٹ

حرمین بک ڈپو

پرفیومس انجیل دوبئی
شہر لکھنؤ .U.A.E کے مختلف عطریات سے معطر

دکان نمبر 1/6 مسجد مرکز، ڈاکٹر بی۔این۔ورما روڈ، امین آباد لکھنؤ

ممبئی کے قارئین کی حدمت میں

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S. V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

Maqbool Mian
Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow.
Mob: 9415001207-9335726377

CAFE FIRDOS
کیفے فردوس
Partly Air Conditioned
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel : 23424781-23459921
145, Sarang Street,Crawford Market, Mumbai-400003

Contact:
Mr. M. Afaq : 9919035087
Mr. M. Imran : 9415757256
Mr. Zeeshan : 9336726156

Phone: (S) 2616946
(R) 2627443

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coats, Embroidered, Sherwanis,
Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں

menmark®
Ultimate Men's Clothing
MFG,Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow. -226001

☆ آب زمزم کھڑے ہوکر پینا؟

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، آیا آب زمزم کھڑے ہوکر پیا جائے یا بیٹھ کر، اس کی وجہ یہ ہے کہ آب زمزم کے سلسلہ میں کھڑے ہوکر پینے کی حدیث اور مطلقاً پانی کو کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت موجود ہے۔

فقہاء حنفیہ کا کہنا ہے کہ آب زمزم کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے۔(الدرالمختار،۱/۱۲۹)

ان حضرات کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث ہے: حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسولؐ کو آب زمزم پلایا اور انہوں نے کھڑے ہوکر نوش فرمایا،قال: سقیت رسول اللہ،فشرب وھو قائم" یہ حضرت محمدؐ کا عمل ہے(بخاری، باب ماجاء فی زمزم، ۳/۴۹۲) مسلم، باب فی الشرب من زمزم قائماً،۳/۱۶۰۱)۔

حضرات مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جواز ہے، شافعیہ کے نزدیک بیٹھ کر پینا سنت ہے، اور کھڑے ہوکر پینا مکروہ تنزیہی ہے، ان کی دلیل مسلم شریف کی وہ حدیث ہے جس میں بالعموم پانی کھڑے ہوکر پینے سے منع کیا گیا ہے(باب کراہیۃ الشرب قائماً، الاشربۃ،۳/۱۶۰۰)

☆ آب زمزم سے وضو:

آب زمزم سے وضو کرنا مستحب ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضورؐ کے حج کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: پھر رسول خدا نے افاضہ کیا اور زمزم کا ایک ڈول پانی منگوایا، اس سے خود پیا اور وضو بھی فرمایا(زوائد المسند،۱/۷۶)

☆ آب زمزم کو نجاست کی پاکی کے لیے استعمال کرنا منع ہے:

احناف کے نزدیک گھٹیا مواقع میں آب زمزم کو استعمال نہیں کیا جائے گا، اس سے ناپاک کپڑا، ناپاک جگہ کی صفائی درست نہیں (حاشیہ ابن عابدین، ۱/۱۸۰،۲/۶۲۵) اور استنجاء کرنا، بدن یا کپڑے سے نجاست دور کرنا مکروہ تحریمی ہے، بعض مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک حرام ہے۔(ہدایۃ المناسک ص:۹۷، أسنی المطالب،۱/۹)

☆ آب زمزم سے غسل کرنا جائز ہے:

حدث کے ازالہ کے لیے ائمہ اربعہ کے نزدیک آب زمزم کا استعمال درست ہے، دلیل یہ ہے کہ پانی سے پاکی حاصل کرنے کے لیے مطلقاً "مياه" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس میں زمزم وغیر زمزم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

☆ آب زمزم کی موجودگی میں تیمم درست نہیں:

آخر میں ایک اور فقہی مسئلہ کی طرف اشارہ مناسب ہے، بعض مسافرین کو یہ مشکل پیش آتی ہے کہ وہ آب زمزم گھر والوں کے لیے ساتھ لے جاتے ہیں، اب راستہ میں سارا پانی ختم ہوگیا، زمزم کے علاوہ وضو کے لیے کوئی دوسرا پانی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اگر کسی کے پاس زمزم کا پانی اس قدر ہو کہ پورے راستہ پینے کے ساتھ وضو وطہارت کے لیے کافی ہوجائے گا تو اس کے لیے تیمم درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے پاس پانی موجود ہے۔

☆ مکہ سے آب زمزم اپنے گھروں کو لے جانا مستحب ہے:

آب زمزم کی بڑی فضیلت وعظمت ہے، دوسرے پانی سے وہ بہت منفرد ہے، اس کے اندر بڑی برکتیں ہیں، اس لیے اس کو تحفہ میں دنیا اور دوسروں کو پلانا بھی مستحب ہے، خود حضورؐ آب زمزم مدینہ لے جاتے، خود پیتے، بیماروں کو پلاتے، اور انکی شفاء کے لئے عنایت فرماتے۔

سنن بیہقی (۵/۲۰۲) کی روایت ہے کہ رسول خدا مشکوں اور برتنوں میں لے جاتے اور مریضوں کو دیتے اور پلاتے "حمله رسول الله فی الأداوی والقرب، وکان یصبه علی المرضیٰ ویسقیهم"۔

مراجع

۱۔ فضل ماء زمزم، سائد بکداش، دار البشائر الاسلامیة، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۲۔ برکة ماء زمزم، محمد احمد عباس، دار الفنون، جدہ، ۱۴۱۲ھ
۳۔ زمزم بین عجائب التاریخ ومکتشفات العلم، علی عوض عویضة، دمشق، ۱۴۱۵ھ
٤۔ الجوهر المعظم فی فضائل ماء زمزم، أحمد بن محمد الحنفی المکی۔
٥۔ الحج والعمرة۔ ذوالقعدة، ۱۴۲۸ھ

☆☆☆☆☆

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشن اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے زیر اہتمام جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز

برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، مدھیہ پردیش، انڈیا اور

برکت اللہ گرلز ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا

"کلیة برکت الله" کی تعمیر الحمدللہ نرسنگھ گڑھ روڈ پر جاری ہے، جس میں بورڈنگ کا اعلیٰ سطحی انتظام ہوگا۔

مذکورہ اداروں میں عصری تعلیم کیساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔ غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے

منجانب: حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ، بانی وناظم اعلیٰ

فون: 0091-755-2543466, 2642715